8402

edited

Saqqn.

۱. اردو شاعری۔
۲. منشور (سید علی حیدرآبادی)۔
۳. نمودِ زندگی۔
۴. ادارۂ ادبیاتِ اردو شمارہ ۶۵۔

سلسلۂ مطبوعات اِدارۂ ادبیات اُردو شمارہ (۶۵)

نمودِ زندگی

یعنی

مولوی سید علی منظور صاحب حیدرآبادی
کے کلام کا دوسرا مجموعہ

۱۹۴۰ء

بہ اہتمام خواجہ حمید الدین شاہد مہتم ادارۂ ادبیات اردو

صفحات (۲۱۲)
قیمت (۱عہ)

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر
رفعت منزل۔ خیرت آباد
حیدر آباد دکن

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد
دکن

۷۸۶
۶۹۲

اپنے ضمیر کے نام جس کی حیات میری نگاہ میں

حق الیقین

کا درجہ رکھتی ہے ۱۲

سید علی منظور

فہرست

دیباچۂ عمومی عالی جناب ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور ایم اے-پی ایچ-ڈی (لندن)
پروفیسر ادبیات اردو جامعہ عثمانیہ و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اردو (۷) صفحہ

عرضِ حال مولوی سید علی منظور صاحب حیدر آبادی........(۹)

نظمیات

		صفحہ			
۱	بزرگ خاندان	۱۹	۱۴	مدعائے زندگی	۳۹
۲	تزکیۂ خیال	۲۱	۱۵	حفاظتِ فسل	۴۰
۳	محبت	۲۲	۱۶	برادرِ نسبتی	۴۱
۴	محبت کی پہلی تجلی	۲۳	۱۷	چشمِ برق پاش	۴۳
۵	حیات دوام کی قیمت	۲۶	۱۸	عشرتِ برشگال	۴۴
۶	صدائے دلنشیں	۲۷	۱۹	طلسم مجاز	۴۶
۷	حسرت جلوہ	۲۹	۲۰	خندۂ دل نواز	۴۸
۸	اجتماع ضدین	۳۰	۲۱	پھول	۴۹
۹	ایمائی انجام	۳۲	۲۲	گل وگلرو	۵۰
۱۰	"کچھ نہیں کے "دو" پہلو"	۳۳	۲۳	جام مئے عرفاں	۵۲
۱۱	راز اطمینان دل	۳۴	۲۴	چاند اور سورج	۵۴
۱۲	محبت کا پہلا مظاہرہ	۳۶	۲۵	مہر جہانِ حسن	۵۵
۱۳	لطف معاملہ	۳۷	۲۶	نورٌ علیٰ نور	۵۷
			۲۷	نمائندۂ سلطان خاور	۶۰

		صفحہ
۲۸	تاروں بھری رات	۶۲
۲۹	یکسوئی	۶۴
۳۰	شرح اعتبارات	۶۶
۳۱	کاشفِ رمزِ مساوات	۶۷
۳۲	امتیاز ہند و فرنگ	۶۹
۳۳	اظہارِ حقیقت	۷۱
۳۴	کتابۂ ضمیر پسند	۷۲
۳۵	اتحادِ خیال و عمل	۷۴
۳۶	حفاظتِ خودی	۷۶
۳۷	مرکزِ حسنات	۷۷
۳۸	فلسفۂ حیات	۸۰
۳۹	امام اولوالعزم	۸۴
۴۰	صراطِ مستقیم	۸۶
۴۱	سچ کی داد	۸۷
۴۲	دعوتِ نظر	۸۸
۴۳	ہدایت نامہ	۹۰
۴۴	شاعر کا اپنے فرزند مبارک بن علی سے خطاب	۹۱
۴۵	ہمارے ملک کی قومی زبان	۹۲
۴۶	وقت کی چیز	۹۴

		صفحہ
۴۷	تقاضائے فطرت	۹۵
۴۸	شہر یارِ صحرا	۹۶
۴۹	یادِ ہفت خواں	۹۸
۵۰	صبحِ امید	۱۰۰
۵۱	بنام ساقیِ فرخ نژاداں	۱۰۱
۵۲	ارمغانِ علم	۱۰۳
۵۳	حسنِ توازن	۱۰۵
۵۴	صبحِ چمن	۱۰۷
۵۵	کمی کا احساس	۱۰۹
۵۶	جیمس کمپنی	۱۱۰
۵۷	بے درد امیر	۱۱۱
۵۸	علی منظور اپنے دیہاتی دوست کو قصر دکھا رہے ہیں	۱۱۲
۵۹	جاسوس دوست	۱۱۵
۶۰	سچے قومی رہنما	۱۱۶
۶۱	فردِ مستثنیٰ!	۱۱۷
۶۲	دکن کا ایک اردو خدمت گزار	۱۱۸
۶۳	بہار میں ایک تشویش	۱۲۱
۶۴	مقصدِ حیات	۱۲۲
۶۵	قوم کی حقیقی شان	۱۲۳

٦٦	افسانوی حقیقت	۱۲۴	
٦٧	حسنِ خطاب	۱۲٦	
٦٨	درسِ عمل	۱۲۷	
٦٩	طمع کا نتیجہ	۱۲۸	
۷۰	حامد اور جسونت	۱۲۹	
۷۱	درسِ محبت	۱۳۰	
۷۲	سچی دوستی	۱۳۱	
۷۳	بائیکاٹ	۱۳۲	
۷۴	میراث	۱۳۴	
۷۵	گذارشِ احوال واقعی	۱۳٦	
۷٦	شاعر سے خطاب	۱۳۸	
۷۷	تصحیح خیال	۱۴۰	
۷۸	فاتحۂ سالانہ	۱۴۱	
۷۹	یہ کس کی ابدی خواب گاہ ہے	۱۴۳	
۸۰	شہرِ خموشاں کو دیکھ کر	۱۴۴	
۸۱	سکوت گورستاں	۱۴۵	
۸۲	اثرِ انقلاب	۱۴٦	
۸۳	میخوار ذلیل و خوار ہوئے	۱۴۷	
۸۴	سخنہائے گفتنی	۱۵۱	
۸۵	مدح خواجۂ دکن	۱۵٦	
۸٦	اللہ والا فلسفی	۱۵۸	
۸۷	آہ وحید العصر	۱٦۰	
۸۸	ایک مصلح قوم کا ماتم	۱٦۴	
۸۹	دریغا کہ عہد جوانی گزشت	۱٦۵	
۹۰	نظام العمل	۱٦٦	
۹۱	شب مہتاب میں یادِ ماضی	۱۷۰	
۹۲	سرور مئے عرفاں	۱۷۱	
۹۳	مسرت دلخواہ	۱۷۲	
۹۴	اپنا راگ گائے جا	۱۷۵	
۹۵	سود مند باتیں	۱۷۸	
۹٦	مشاہدہ	۱۸۰	
۹۷	ترکی بہ ترکی	۱۸۱	
۹۸	آئینۂ عبرت	۱۸۲	
۹۹	شیخ ہمہ داں سے	۱۸۴	
۱۰۰	واعظ سے خطاب	۱۸٦	
۱۰۱	ایک تقلیدی سوال	۱۸۷	
	غزلیات	۱۸۹ تا ۲۰۵	
	رباعیات	۲۰٦ و ۲۰۷	

دیباچۂ عمومی

سید علی منظور صاحب جدید حیدر آباد کے پختہ مشق اور مشہور شاعروں میں سے ہیں۔ اور حضرت امجد کی طرح ان کی شاعری کی شہرت صرف اس سرزمین میں محدود نہیں ہے۔ ان کے کمال کے قدردان دور دور پھیلے ہوئے ہیں۔ اردو کا کوئی مشہور و مستند رسالہ ایسا نہیں جس میں آئے دن ان کی غزلیں اور نظمیں نہ چھپتی ہوں۔ اور پھر یہ نظمیں ایک رسالہ سے دوسرے رسالہ میں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک شاعر اس سے زیادہ اور چاہتا بھی کیا ہے۔ ہماری زبان کے شاعروں کو تو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا!

منظورؔ کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز ان کی سادگی و پرکاری ہے۔ لیکن یہ پرکاری اکثر معصومیت کے پردے میں چھپی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ اس کلام کا ایک حصہ "دندانِ تو جملہ در دہان اند" جیسے معصوم و سادہ عنصر پر مشتمل ہوگا۔ لیکن ظاہر بینوں کو کیا معلوم کہ اس خاموش سمندر کی سطح کے نیچے ایک دنیا موجزن ہے!

زندگی کی ترجمانی شاعر اور ادیب کا سب سے پہلا مقصد ہوتا ہے۔ لیکن کتنے اردو شاعروں نے اس اساسی مقصد کا خیال رکھا؟ اور جنھوں نے خیال رکھا ان میں سے کتنے ہیں جنھوں نے کامیابی حاصل کی؟ علی منظور عہدِ حاضر کے ان چند کامیاب شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے کلام میں اس مقصد کو پیش نظر رکھا اور

اس میں کامیابی بھی حاصل کی۔

اُردو شاعری کا جدید رجحان انقلابی قسم کی شاعری کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن اس رجحان کے مطابق جو نوجوان شاعری کر رہے ہیں ان میں سے اکثر جوش و جذبہ میں آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔ ان کی حالت مجذوبوں جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن علی منظور جذبات کی رو میں بہنا نہیں چاہتے۔ بلکہ جذبات کو اپنے قابو میں رکھ کر ایک پختہ گام سالک کی طرح آگے بڑھ رہے ہیں، اور اپنے ساتھ اپنے کلام کا مطالعہ کرنے والوں کو بھی لئے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری نوجوانوں کے کلام کی طرح "مجذوب کی بڑ" نہیں معلوم ہوتی۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں خود بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھنے کا موقع دیتے ہیں یہ ایک فیض جاری ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اور عہد حاضر کی سیاسی و معاشی کشمکش کے بعد بھی اس کا اثر زائل نہ ہو سکے گا۔ زمانہ سب سے بہترین کسوٹی ہے۔ اور وہی شاعر یا ادیب زندۂ جاوید ہے جس کے کارنامے اس کسوٹی پر کسے جانے کے بعد بھی اپنی چمک دمک اور قدر و قیمت کو باقی رکھ سکیں گے۔

رفعت منزل۔ یکم رمضان ۱۳۵۹ھ
م ۔ ۳ر اکٹوبر ۱۹۴۰ء

سید محی الدین قادری زور

عرض حال

لکھے پڑھے شرفا کا دستور ہے کہ دیگر خاص خاص یادداشتوں کی طرح اپنی اولاد کی تاریخ ولادت بھی لکھ رکھتے ہیں، میرے والد ماجد نے بھی میری تاریخ ولادت کسی نہ کسی بیاض میں ضرور لکھی ہوگی مگر افسوس ہے کہ مرحوم کی کوئی بیاض اور کوئی کتاب مجھے نہیں ملی - میری بڑی بہن نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ :-

تو دستگیر کے چاند میں پیدا ہوا گیارہویں[1] تاریخ تھی ہفتہ کا دن تھا

مرحومہ نے ہی فرمایا تھا کہ :-

باوا گورے جب تجھے چھ برس بھر کو ساتواں برس لگا تھا[2]

والد کی تاریخ وفات یکم جمادی الاول سنہ ۱۳۲۰ھ ہے، سنہ ۲۰ھ میں میری عمر کا ساتواں برس تھا تو سنہ ۱۹ھ میں چھٹا سال ہوگا اس طرح حساب کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ میرا سنہ پیدائش (۱۳۱۴) ہے -

---

۱؎ مطابق ۱۹ر ستمبر سنہ ۱۸۹۶ء

۲؎ ہماری گھریلو زبان اب تک بھی کچھ زیادہ نہیں بدلی دکنی اقامت کی قدامت ملاحظ فرمایئے -

دوسرا صفحہ

میں نے اس بات کی تصدیق اور بھی مختلف طریقوں سے کی ہے مثلاً علامہ حضرت شمسی نے اپنے بھتیجے اور میرے ہم عمر دوست سید ابراہیم صاحب یداللہی کی تاریخ پیدائش سنائی تھی جس کا مادہ "چراغ مکاں" ہے یہ مجھ سے چند مہینے چھوٹے ہیں۔ تو اب میں تحقیق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو بتاریخ ۱۱؍ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ روز شنبہ تشریف وجود ملا۔

لطف او نا گفتہ ما می شنود　　　ما نبودیم و تقاضا ما نبود

سید علی[۱] منظور بن سید شہاب الدین[۲] بن سید مبارک[۳] بن سید اسحاق[۴] بن سید زین العابدین[۵] بن سید یعقوب[۶] بن سید اسحاق[۷] بن سید عبدالحی[۸] بن سید علی[۹] بن سید اسحاق[۱۰] بن بندگی میراں سید یعقوب[۱۱] بندگی میراں سید یعقوب بھی دولت آباد (اورنگ آباد دکن) میں آسودہ ہیں صرف نمبر (۷) حج سے مشرف ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے کہ بمقام تھانیسر (شمالی ہند) واصل بحق ہوئے وہیں آپ کا مزار ہے میں ننھیال کی طرف سے بھی اتنا ہی قدیم دکھنی ہوں میرے نانا سید منور بن سید سعد اللہ بن سید عبدالجلیل بن سید موسیٰ بن سید عزیز محمد بن سید نور محمد بن سید محمود بن سید عیسیٰ بن بندگی میاں سید نور محمد بندگی میاں سید نور محمد مشیجہ (نظام آباد دکن) میں آسودہ ہیں ان کے والد بندگی میاں سید محمود بندگی میراں سید یعقوب کے حقیقی پھپھیرے بھائی ہوتے ہیں۔

تعلیم و تربیت کے مد نظر میرے لڑکپن کا زمانہ کچھ اچھا نہیں گزرا۔ کچھ اچھا نہیں گزرا، کیا معنی، بہت برا گزرا، سبب؟ یتیمی۔

والد مرحوم نے تسمیہ خوانی کے بعد پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مندرجۂ ذیل واقعہ سن شعور کو پہونچ کر میں نے اپنے اعزہ سے بارہا سنا ہے:۔ والد نے بغدادی قاعدہ میں غین کے نیچے انگلی رکھ کر دریافت کیا

علی داد! یہ کیا ہے؟

میں نے کہا غین۔ مرحوم نے غ کے نقطہ پر انگلی رکھ دی، پوچھا،

اب

میں نے کہا عین۔ سنتا ہوں کہ بہت خوش ہوئے تھے اللہ مغفرت کرے حضرت مرحوم کی رحلت کے زمانہ میں تو میں کچھ کچھ لکھنے پڑھنے لگا تھا۔ والد کی رحلت کے بعد کسی سے فارسی کی پہلی کتاب پڑھی، کسی سے مصدر فیوض کے چند اسباق، غرض، اپنے قریبی صاحبانِ علم سے برابر مستفید ہوتا رہا۔

بعض ہم عمروں کی وجہ سے انگریزی کا شوق ہوا تو سٹی ہائی اسکول پہونچ گیا اس زمانہ میں راس صاحب (پورا نام یاد نہیں ہے) ہیڈ ماسٹر تھے

سامنے جاکر کہا مولی ساب (مولوی صاحب) میں انگریزی پڑھنے کو آیا ہوں، میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رحم ڈال دیا فیس معاف کردی، تھرڈ اسٹانڈرڈ تک تعلیم پائی اس کے بعد وحشت اچھلی ایک ہم عمر دوست کے ساتھ جاکر محمود حسین خاں صاحب جاگیردار کے مدرسہ (نام پلی) میں خیاطی کا کام سیکھنے لگا۔ کوئی نگراں تو تھا نہیں گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر جی میں جو آتی کر گزرتا، مگر خدا کا شکر ہے کہ بری صحبتوں سے کبھی واسطہ نہیں رکھا مدرسۂ صنعت و حرفت میں شریک ہوکر خانگی تعلیم اور مطالعہ کا شوق نہیں چھوڑا اس زمانہ میں اخبار مشیر دکن کا دفتر وہاں تھا جہاں اب سلطان بازار والا گل باغ ہے روزانہ راستہ میں یہ اخبار پڑھ لیتا اور اخی المعظم مولٰنا سید نجم الدین صاحب کے منگائے ہوئے پرچے مخزن، زمانہ اور عصمت دیکھ لیتا یعنی پرورشِ ذوقِ مطالعہ کرتا رہا ایک نعتیہ قصیدہ میں اس کا ذکر بھی کردیا ہے ؎

دل و دماغ نے صدمے بہت اٹھائے مگر

مرے مطالعہ میں آسکا نہ پھر بھی فتور

کن کن صدمات کا بیان کروں، کیا یتیمی کا صدمہ معمولی صدمہ ہے!!

اللہ اللہ مگر اس یتیمی نے بطفیل یتیم عبداللہؑ و آمنہؓ مجھ کو روشن خیال بنا دیا، جفاکش بنا دیا، بھوک، پیاس کا خوگر بنا دیا۔

خاندان اور مذہب سے محبت رکھتا ہوں مگر یہ محبت "لیمی ولصیم" کی حد تک کبھی نہیں پہونچتی ——— اصول دین تو بہرحال "چون وچرا" کو گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن فروعی مسائل میں "کیوں اور کس لئے" اکثر کہہ جاتا ہوں حالانکہ فقہائے متقدمین نے اپنی "دور اندیشی" کے مدنظر فروع کو جو اہمیت دے رکھی ہے اس سے بھی آگاہ ہوں، خیر، ان باتوں کا ثبوت تو میری تصانیف و تالیف سے ملے گا۔ یہاں کچھ اپنی علمی ترقیوں کا حال سنا دیتا ہوں، میرے علمی و شعری مذاق کو بھلا خیاطی سے ربط؟ اسی بے ربطی کی وجہ سے مدرسۂ صنعت و حرفت میں جی نہیں لگا تو مدرسۂ نظامیہ میں شریک ہو گیا، اس زمانہ کی یاد اب بھی دل بے چین کئے دیتی ہے۔ مولٰنا انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ بہادر، سرکاری گوناگوں مصروفیات کے باوجود مدرسے کے انتظام و اہتمام میں بہت دلچسپی لیتے تھے اکثر تشریف لاتے طلبہ کا خود امتحان لیتے تقریریں کراتے، انعام دیتے، میں نے بھی تقریر کی ہے اور انعام پایا ہے۔ نواب محی الدولہ کے بعد مولٰنا صدر الصدور

بنائے گئے، لنگم پلی کے بڑے باغ والی دعوت یاد ہے

آہ مولانا!

وجاہتِ ظاہری کیا کچھ پائی تھی؟ امام ابو یوسف بھی شاید اتنے ہی وجیہہ ہوں گے! مولوی صاحب کے اعزاز میں ترقی ہوتی جاتی تھی میرا دل خوش ہوتا جاتا تھا حد یہ ہے کہ معین المہام (وزیر) امور مذہبی ہو گئے۔ خدا سلامت رکھے علم پرست سلطان العلوم کو، ہر اعتبار سے تاریخ عالم کا سرنامہ معلوم ہوتے ہیں، استاد کی قدر کسی بادشاہ نے ایسی بھی کی ہے۔ استاد تو استاد، استاد کے مدرسے پر وہ توجہات شاہانہ کہ جن کی تفصیل فرصت طلب۔ روزانہ یا کبھی ایک دن کے وقفے سے بریانی کی دیگ پر دیگ چلی آرہی ہے کہاں سے؟ خاص ڈیوڑھی مبارک سے، اسی طرح مٹھائی کی ٹوکریاں نہیں بلکہ ٹوکرے، تعداد انیس انیس، بیس بیس۔

ایک ایک طالب علم کے حصے میں کتنی شیرینی آتی؟ دو دو سیر ڈھائی ڈھائی سیر

واہ مدرسۂ نظامیہ! واہ!!

لیکن اب —— نہ وہ قدیم اساتذہ نظر آتے ہیں نہ وہ جلالتِ علم

آہ مدرسۂ نظامیہ! آہ!!

یاد پڑتا ہے کہ اسی مدرسے میں فصول اکبری پڑھتے ہوئے میں نے استاد کی ایک بید بھی کھائی ہے یعنی

جورِ استاد بہ ز مہر پدر

کا فلسفہ یہیں سمجھا، یہیں نعمتہائے مختلفہ سے بہرہ در ہوا، یہیں فارسی میں شعر کہنا شروع کیا — اردو اشعار سے تو اس وقت دو بڑی بڑی کا پیاں پُر ہو چکی تھیں مختصر یہ ہے کہ تخمیناً دو سال تک بموجب ذہانتِ خداداد کسبِ علوم و فنون کر کے اپنی عمر کے غالباً اٹھارہویں سال اس مدرسے کو بھی خیرباد کہنے پر مجبور رہوا، پھر کسی مدرسے میں شریک نہیں ہوا، البتہ پرائیوٹ تعلیم کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک بھی برابر جاری ہے ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم زہر خرمنے خوشۂ یافتم

اس کے بعد مختلف دفتروں میں گھوم گھوم کر محکمۂ نظامت طبابت سرکارعالی میں نوکری کے لئے امیدواروں میں نام لکھوالیا اسی اثناء میں محکمہ سرکار سے ایک گشتی کا اجرا ہوا کہ ۲۵ اور ۲۵ سے زیادہ کی جائداد کے لئے میٹرک یا میٹرک کے مماثل امتحان میں کامیابی لازم ہے اس گشتی نے مجھ کو

مادہ کیا کہ کوئی امتحان دے لوں، بخت و اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت یہاں مدراس یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل وغیرہ کا سلسلہ جاری تھا - میں نے کسی قسم کی تیاری کے بغیر ۱۹۲۴ء میں منشی فاضل پریلیمزی اور ۱۹۲۵ء میں منشی فاضل فائینل پاس کرلیا - کامیابیٔ امتحان کے بعد مجھ کو ۳۰ تا ۶۰ کی ایک مستقل جگہ بھی مل گئی اس کے دوسرے ہی برس میرے اپنے کُف میں شادی بھی ہوگئی ؎

کارسازِ ما بہ فکر کار ما　　　فکر ما در کار ما آزارِ ما

اپنی شاعری سے متعلق میں کچھ زیادہ عرض نہیں کروں گا ——— "عیاں را چہ بیاں"، بچپن سے شعر کہتا ہوں پندرہ سولہ برس کی عمر سے تو مقامی مشاعروں میں شریک بھی ہونے لگا تھا، مطبوعہ قدیم گلدستے میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے شعر و سخن میں حضرت علامہ شمسی، حضرت احمد اللہ واصلؔ اور حضرت سید نجم الدین صاحب المعیؔ سے مدتوں میں نے مشورہ کیا ہے۔ مشق سخن اتنی کی کہ علامہ مرحوم اور المعیؔ مغفور مجھ کو فنافی الشعر کہتے تھے (حضرت واصلؔ کے زمانہ میں میری مشق سخن ابتدائی منزلوں میں تھی) میرا یہی شعری انہماک اب تک باقی ہے یہی وجہ ہے کہ

میں ہر قسم کی دفتری ترقیوں سے محروم ہوں اب بھی اسی گریڈ میں ہوں جو ایک قرن کے پیشتر تھا ــــــ میرا دل مطمئن ہو جائے گا اگر اہل نظر میرے کلام کو لایق نقد و تبصرہ سمجھیں گے' اگر ایسا نہ ہوا تو بھی افسوس نہ کروں گا یہ اس لئے کہ دنیا میں ہر شخص کو اپنی فطرت کے موافق ایک خاص مشغلہ سے انس ہوتا ہے مثلاً شطرنج بازہی کو دیکھئے بے چارہ اسی شغل میں عمر گزار دیتا ہے جب دیکھو بساط بچھی ہوئی اس سے حاصل؟ کچھ نہیں' ایسی بیسیوں مثالیں ہیں پھر مجھ کو اپنے اس انہماک پر کیوں افسوس ہو؟ غرض میری شاعری میرے میلان طبع کی گواہ ہے میلان طبع کسی کی پسند اور ناپسند کی پروا نہیں کرتا۔

علی منظور

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

بزرگِ خاندان

حجلۂ زرکار سے مہرِ مبیں نکلا نہیں
سامنے اب تک شعاعوں کا ہجوم آیا نہیں

نور پھیلاتا ہے جو اس کا نہیں حاصل شہود
جلوہ فرما ہے مناظر میں ضیائے بے نمود

صبح صادق میں ہے کچھ کچھ روزِ روشن کا اثر
یعنی اب نجمِ سحر مٹنے کو ہے وہمِ نظر

کیا سہانا وقت ہے کس درجہ ہے دلکش فضا
شاہدانِ قدس کے انوار پر غش ہے فضا

رشکِ جنت ہے مجھے یہ مختصر سا خانہ باغ
میں نے اے ہمدم یہاں عشرت کا پایا ہے سراغ

کیوں نہ میں محسوس کرتا اس جگہ لطفِ ارم
کس بہار" افزائے ہستی" کے یہاں دیکھے قدم

دیکھ! بیٹھے ہیں ادھر کرسی پہ ابّا جان دیکھ
اور میرے ان عزیزوں کی شگفتہ شان دیکھ

جمع ہیں بھائی، بھتیجے، بھانجے، بہنوئی بھی
کیا نظر آتا ہے ان میں تجھ کو ناخوش کوئی بھی
صبح کا یہ وقت، یہ مجمع عزیزوں کا یہ باغ
ہیں لبالب بادۂ عشرت سے پھولوں کے ایاغ
سایۂ شمشاد میں جو سرو قد استادہ ہے
دیکھ! وہ سب سے بڑا میرا برادر زادہ ہے
اس کے چھوٹے چھوٹے بھائی اس طرف ہیں محو سیر
ساتھ ان کے میرے بچے ہیں، نہیں یاں کوئی غیر
دیکھ! کیسے شاد ہیں میرے یہ دونوں بھانجے
غیرتِ شمشاد ہیں میرے یہ دونوں بھانجے
جن سے والد ہیں مخاطب وہ مرے بہنوئی ہیں
ابن عم بھی ہیں، انہیں کہتا ہوں دادا بھائی میں
بھائی صاحب ہو رہے ہیں ہاتھ منہ، دیکھ اس طرف
کارنامے ان کے ہیں روشن کنِ نامِ سلف
والدِ ماجد سے ہے ہم سب کی یہ ساری نمود
اس وجودِ پاک پر نازاں ہمارا ہے وجود

ہم پہ کب پڑتی نہیں ان کی نگاہِ التفات[1]

ہم بھی ہیں ان کی نظر میں باقیات الصالحات

مرکزِ طلعت ہے پیری کا یہ نورانی فروغ

یاں نظر آتا ہے کامل ہم کو انسانی فروغ

"اجتماعی زندگی" میں انفرادی شان دیکھ

خانداں میں اس بزرگِ خانداں کی آن دیکھ

سالنامۂ "ہمایوں"، ۱۹۳۹ء

تزکیۂ خیال

"جہانِ کیف و کم" ہے یہ عجیب یاں کا حال ہے
کبھی کمال کی خوشی کبھی غمِ زوال ہے

دکھا کے چشمِ خونفشاں فلک نہ کیوں ہو سرنگوں
غروبِ آفتاب کا سماں پُر از ملال ہے

کہاں فروغ بدر کا کہاں ہلال کی جھلک
کمال کا یہ نقص ہے کہ بدر اب ہلال ہے

چمک چمک کے چھپ گئے نجوم کا نتیجہ یہ
بھڑک بھڑک کے بجھ گئی یہ شمع کا مآل ہے

خیال ہی خیال ہے سرور کیا ملال کیا

خیال ہی سے منسلک یقین و احتمال ہے

[1] ایک خوش نصیب خاندان کو دیکھ کر میں نے جی ہی جی میں کہا کاش میرے والد بھی آج زندہ رہتے! اسی عالم تصور میں یہ تصویر کھینچی ہے ورنہ مجھکو تو حضرت مرحوم کی صورت تک اچھی طرح یاد نہیں۔

(۳)

طلوعِ مہر کا سماں نظر فروز پھر ہوا
کمال کس کے حسن کا یہ پیکرِ جلال ہے

ہلال رفتہ رفتہ پھر مہِ تمام بن گیا
وہ شکل تھی زوال کی یہ صورتِ کمال ہے

نجوم کا چمن کھلا سوادِ شام دیکھ پھر
ریاضتِ سپہر کا نمونہ بے مثال ہے

میں دیکھتا ہوں شمع کو پھر اس کی بزمِ ناز میں
وہی چمک وہی دمک وہی قمر جمال ہے

بِنا مرے ملال کی کثافتِ شعور تھی
سبب مرے سرور کا لطافتِ خیال ہے

"ساقی" بابت ماہ جون ۱۹۳۹ء

محبت

محبت خدا کی حقیقت کا نور
محبت کسی کا پیامِ ظہور

محبت کے پیغامبر انبیا
محبت کے زیرِ اثر اولیا

محبت نقوشِ بیاضِ وجود
تر و تازہ اس سے ریاضِ شہود

محبت نہیں تو نہیں زندگی
محبت سے ہے دلنشیں زندگی

محبت سے ہر ذرہ پیوستہ ہے
طرب زا محبت کا گلدستہ ہے

نشاطِ محبت رفیقِ حیات — گئے اس نے حل زندگی کے نکات
محبت سے ہر اک حقیقت عیاں — محبت سے ماں کی فضیلت عیاں
محبت سے شانِ پدر سربلند — محبت سے وصفِ پسر ارجمند
محبت سے مضبوط اجزائے قوم — محبت سے مربوط آرائے قوم
محبت سے قائم نظامِ حیات — تغیر میں بھی ان کا نورِ ثبات

محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں
محبت ہی ہے اصلِ دنیا و دیں

"ساقی" بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء

محبت کی پہلی تجلی

نہ تھا جب کوہکن کے دل میں ارماں چوٹ کھانے کا
نہ پہونچا تھا اسے جب حکم جوئے شیر لانے کا
نہ تھے دستِ ہوس آگاہ جب زلفوں کی تزئیں سے
ہوا تھا جب نہ شیریں کام خسرو حسنِ شیریں سے

الگ معمورۂ حسرت سے قیس عامری جب تھا
خموشی آشنا دنیا میں جب فریاد کا ڈھب تھا
نواحِ عاشقی میں جب اثر اس کا نہ پھیلا تھا
سوادِ دلبری جب پردہ دارِ حسن لیلیٰ تھا
خیال آرا نہ تھا خوابِ زلیخا جب زمانے میں
بھرا جاتا نہ تھا رنگِ فسوں جب ہر فسانے میں
نہ تھا آگاہ جب ذوقِ نظر بازی تکلف سے
نہ تھا پُرنور جب یہ خاکداں تنویرِ یوسف سے
نہ تھا اپنے اثر کا شوخ چشموں کو جب اندازہ
نظر جب نیم باز آتا نہ تھا فتنوں کا دروازہ
نیاز و ناز میں جب فرق کرنا سخت مشکل تھا
محبت آشنا اس وقت بھی انسان کا دل تھا
فدا ہابیل نے کی جان اقلیما کی الفت میں
یہی پہلا شہیدِ عشق ہے آدم کی عترت میں

انہی دونوں نے دنیا میں محبت کی بنا ڈالی
بہارِ جاوداں تھی مختصر سی ان کی خوش حالی
محبت کے طرب آموز نغمے مل کے گاتے تھے
جہاں بھی جب کبھی جاتے ہمیشہ ساتھ جاتے تھے
یہ دونوں ایک شب جا بیٹھے دریا کے کنارے پر
تبسم چاند کا وہ ان کے ہر دلکش اشارے پر
قضارا اس طرف قابیل سا سفاک آتا ہے
انہیں اس طرح خوش خوش دیکھتا ہے تاؤ کھاتا ہے
بھڑک اٹھتی ہے آتش اس کے سینے میں رقابت کی
نظر آتی نہیں صورت انہیں اپنی حفاظت کی
یہیں میں ختم کرتا ہوں یہ درد انگیز افسانہ
نتیجہ اس کا مجھ سے کیوں وہ پوچھے ہے جو فرزانہ

ساقی افسانہ نمبر ۱۹۳۷ء

حیاتِ دوام کی قیمت

یہ کہتے ہیں شیخانِ آوردہ گرد
کہ تھا اگلے وقتوں میں اک پیر مرد

جوانی میں بھی تھا وہ پیروں سی شاد
نہ تھی اس میں کچھ قوتِ اجتہاد

کسی پیر نے شربتِ جاں فزا
دیا اور کہا، ہے یہ آبِ بقا

جو تھا اس کو مرشد پہ کامل یقیں
خیالِ بقا ہو گیا دل نشیں

رہا جب نہ مرنے کا غم راز خوف
خوشی اس کے دل کا لگی کرنے طوف

بہار اس کے ہمراہ چلنے لگی
نشاط اس کے سایہ میں پلنے لگی

نہ تھا واقف اس سے کہ ہے کیا ملال
وہ خوش اور خوش اس کے اہل و عیال

کبھی خوش بہن کی عنایات پر
کبھی شاد بیوی سے ہنس بول کر

گھر اس کا نمونہ تھا فردوس کا
کسی کو کسی بات کا غم نہ تھا

کبھی سامنے آ کے "نورِ نظر"
بڑھاتا تھا اس کا شعورِ نظر

دکھا کر کبھی اپنی طفلانہ چال
لبھاتی تھی دل دخترِ مہ جمال

جو خود شاد تھا سب کو خوشدل کیا
کئی سال یوں ہی خوشی سے جیا

کہ اتنے میں بیوی نے پائی وفات
گیا ساتھ ہمدم کے لطفِ حیات

تصور اسی کا جمانے لگا
نظر ہر کسی سے چرانے لگا

نہ کھانے کی تھی سُدھ نہ پینے کی سُدھ
ہوا ہو گئی سب وہ جینے کی سُدھ

جو شیرازۂ دل بکھرنے لگا
تو جینے سے جی اس کا ڈرنے لگا

کیا غم نے اس کو جو دل باختہ
یہ کہنے لگا خود ہی بے ساختہ

مری جاں بلالے مجھے بھی وہاں
ہے مصروف گلگشت تو اب جہاں

مرا غمکدہ کیا جہنم نہیں
جناں میں تجھے کیوں مرا غم نہیں

نہ پیتا میں اے کاش آبِ حیات
نہ دیتی مجھے رنج تیری وفات

یہی ہے بہائے حیاتِ دوام
کہ جیتا رہوں اور جپوں تیرا نام

ساقی بابتہ ماہ جولائی ۱۹۳۸ء

صدائے دل نشیں

شہہ خاور ابھی نکلا نہ تھا حج کے ارادے سے
اذاں مرغِ خوش الحاں نے نہیں دی تھی دھڑلّے سے

فلک پر تھی ابھی محوِ تماشا خلقتِ نوری
ہوئی اب تک نہ تھی سیرِ چراغاں کی ہوس پوری

طیورِ خوش نوا نے دلکشا نغمے نہ چھیڑے تھے
فضا نے بھی نہ اب تک نیلگوں جھنڈے اکھیڑے تھے
نظر خالی ہی خالی آ رہے تھے باغ کے رستے
نہ ہونے پائے تھے تقسیم گلرویوں میں گلدستے
ابھی گُل پیرہن نکلے نہ تھے گلگشت کی دھن میں
درِ شبنم نظر آتے نہ تھے دامانِ گلبن میں
ابھی تھا طالبِ انوار صحنِ باغ کا منظر
ابھی تھا مانعِ نظارہ کوہ و راغ کا منظر
کھلا اب تک نہ تھا خمخانۂ مشرق کا دروازہ
مے دوشینہ تھی رازِ نویدِ عشرتِ تازہ
غبارِ کاروانِ شب ابھی چھٹنے نہ پایا تھا
نگارِ صبح کا مشتاق ابھی ذوقِ تماشا تھا
بتانِ ماہ وش نکلے نہ تھے شوقِ پرستش میں
نہ کھولی تھی زباں اصنام کی مدح و ستائش میں
تجلی صبح صادق کی سوادِ شام میں گم تھی
فضا کی خامشی ناواقفِ ذوقِ تکلم تھی!

سرِ راہ بیٹھ کر میں لے رہا تھا لطفِ تنہائی
اسی پُر لطف عالم میں "صدائے دل نشیں" آئی
جو سوتے ہیں مری دھن میں کریں وہ خود تلاش اپنی
حقیقت خواب ہی کے فلسفہ میں پائیں کاش اپنی

ادبی دنیا اکتوبر و نومبر ۱۹۳۵ء

حسرتِ جلوہ

وہ جلوہ گاہ، وہ پہلی نگاہِ مستانہ
اسی کے دھیان میں جاری ہی گشت روزانہ
خوشا امیدِ ملاقات و جستجوئے نشاط
پیامِ عیش ہے لاریب آرزوئے نشاط
ملا نہیں ابھی وہ دل نواز کا شانہ
پھر ایک بار اسے دیکھنے کی حسرت ہے
نظر فروزِ دل و دیدہ جس کی طلعت ہے
لگا سکا نہ جو اندازہ دل کی قیمت کا
بھگت رہا ہوں میں خمیازہ اپنی غفلت کا
نہ دے سکا اسے پہلی نظر میں بیعانہ
میں چاہتا ہوں اسی مہ جبیں کو دل دینا
سکھا گئی جو مجھے لطفِ زندگی لینا

تصوراتِ وخائلِ فراوانی "معاملہ" کی ابھی سے یہ عیش سامانی

پری خود آئے نظر یا ملے پریخانہ

میں جس کی یاد میں ہوں وہ نظر نہیں آتی

یہ علم بھی نہیں اب کیوں ادھر نہیں آتی

بیان کیا غمِ مایوسئ نگاہ کروں امید جلوہ رکھوں اور آہ، آہ کروں

کسے سناؤں میں حسرت بھرا یہ افسانہ

نمودِ زندہ دلی کس قدر وہاں ہوگی

قمر جمال مری دلربا جہاں ہوگی

سہیلیوں کو مزے خوب آرہے ہوں گے شبابِ حسن کے کیا کیا مظاہرے ہوں گے

نہاں مجھی سے ہو اس کی ادائے مستانہ

مجلۂ طیلسانین جنوری ۱۹۳۸ء

اجتماعِ ضدین

کہتے ہیں آثارِ محبت مجھ کو محبت راس نہیں

جس سے محبت کرتا ہوں میں آہ وہی حساس نہیں

جانتا ہوں میں آگے ہی سے اس کو کسی کا پاس نہیں

مانتا ہوں میں مہر و وفا کی اس گلِ میں بو باس نہیں
واہ رے میں اس پر بھی مجھے ناکامی کا احساس نہیں

(۲)

سلسلۂ سعیِ بے حاصل آہ نہ اب تک ٹوٹ سکا
خواب میں بھی دامانِ خیالِ دوست نہ مجھ سے چھوٹ سکا
لوٹ لیا اک آن میں اس نے جتنا مجھ کو لوٹ سکا
اب جو کچھ ہے اس کے لٹ جانے کا کب وسواس نہیں
واہ رے میں اس پر بھی مجھے ناکامی کا احساس نہیں

(۳)

آہ، ہجومِ یاس نے میرے دل پر دھاوے کب نہ کئے
سیکڑوں چکر ناکامی نے اس کی راہ میں کب نہ دیئے
جمع کئے سامان نہ کیا کیا اس کی جفا نے میرے لئے
اس کی نگاہِ فتنہ اثر سے صلح کی بالکل آس نہیں
واہ رے میں اس پر بھی مجھے ناکامی کا احساس نہیں
جذب مرے دل میں ہے کتنا راز یہ اس پر فاش نہ ہو
مہرِ محبت وقت پہ چمکے بے موقع ضو پاش نہ ہو

آئے وہ خود آنے کا سبب معلوم اسے اے کاش نہ ہو
آہ مگر فریاد کا اب تک مجھ کو ارادہ راس نہیں
واہ رے میں اس پر بھی مجھے ناکامی کا احساس نہیں

"ہمایوں" ستمبر ۱۹۳۴ء

ایمائی انجام

ہے عشق سے نورانی فطرت کا جلوہ خانہ
مجبور محبت کیا ہوتا نہیں فرزانہ

زد دل پہ محبت کی ہوتی ہے تو ہوتا ہے
احساس بھی مستانہ کردار بھی مستانہ

جب عشق زدہ کوئی نکلا تو ہوا یہ غل
اچھی ہے یہ نادانی اچھا ہے یہ دیوانہ

دیوانہ ہوش افزا جو کو نظر آیا کیا
یاد آگیا مجنوں کا بھولا ہوا افسانہ

مستی ہے عشق انساں ہر دور میں ہوتا ہے
آتا ہے بغیر اس کے کب دور میں پیمانہ

بے عشق اثر اپنا دکھلائے یہ ناممکن
لطف مے و میخانہ سحر بت و بتخانہ

ہے عشق کے تخلیقی جلووں سے جہاں روشن
ضو پاش ہے یہ سب پر گلشن ہو کہ ویرانہ

ہاں عشق ہی انساں کو بیباک بناتا ہے
ہاں عشق کی اک تابش ہی جرأت رندانہ

انساں کی خصوصیت اوروں میں نہیں لیکن
اوروں میں غنیمت ہی سوز دل پروانہ

پروانہ کا "ایمائی انجام" نہیں دیکھا اے بوالہوس اب تک تو ہے عشق سے بیگانہ
یہ ہجمیرزی ہے سرمایۂ صد عبرت
برباد نہ ہوجائے خاکسترِ پروانہ

"ساقی" نومبر ۱۹۳۹ء

"کچھ نہیں" کے دو پہلو

جنہیں عشق سے واسطا کچھ نہیں انہیں حسن سے کیا ملا؟ کچھ نہیں
جہاں زہد خشک آ گیا، اس جگہ محبت، مروت، وفا کچھ نہیں
خدا جانے کس دل سے کہتے ہیں لوگ حسیں اور ان کی ادا کچھ نہیں
نہیں ہیں جو تنویر دل، ماہوش شبِ ماہ میں بھی مزا کچھ نہیں
شرر ہیں یہ ہنس مکھ ستارے اگر تو ہر خندۂ خوش نما کچھ نہیں
نظر کے ہیں دھوکے مناظر اگر تو پھر یہ چمن یہ فضا کچھ نہیں
حکیموں پہ حیرت نہ ہو کیوں مجھے بڑھا علم تو کہہ دیا کچھ نہیں
نہ ساقی نہ ساغر نہ شاہد نہ باغ مآل ان کی تحقیق کا کچھ نہیں
وجود ان کا میری نظر میں بھی کیا عدم ہے عدم کے سوا کچھ نہیں
کہوں کیسے ہستی کے گلزار میں فنا ہی فنا ہے، بقا کچھ نہیں

میں خوش حسن سے ہوں سوا حسن کے مری زیست کا مدعا کچھ نہیں
اگر میری نظروں سے دیکھے کوئی بقا ہی بقا ہے، فنا کچھ نہیں
یہ معمورۂ حسن ہے تو یہاں خوشی ہے، خوشی کے سوا کچھ نہیں
نگاہِ حقیقت رسِ حسن سے تعلق غم و رنج کا کچھ نہیں
مزے اہلِ دل کے لئے ہیں بہت کہاں ہیں نے کب؟ یاں مزا کچھ نہیں
یہ ساقی یہ ساغر، یہ شاہد یہ باغ حلاوت ہے دل میں تو کیا کچھ نہیں

"سب رس" سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۴۰ء

رازِ اطمینانِ دل

جانفزا اب اس کی الفت ہی تو ہے دلنشیں یہ ایک صورت ہی تو ہے
جوش میں ہر وقت میں بہتا نہیں
جو نہ کہنا چاہئے کہتا نہیں
میری باتوں میں صداقت ہی تو ہے ہاں مجھے پاسِ محبت ہی تو ہے

(۲)

جس کے آگے ہو خجل ماہِ منیر کیا نظر آئے مجھے اس کی نظیر

وہ حسیں ہے آپ ہی اپنا جواب
"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"
ہے جہانِ حسن جس سے مستنیر　　اور کیا ہے اس کی طلعت ہی تو ہے

(۳)

اب بھی ہیں ہم بینش اختر نہ ہوں　　یعنی حیراں ایسے جلووں پر نہ ہوں
طلعتِ دل رازِ تنویرِ نگاہ
ہے قریب اس مہ جبیں کی جلوہ گاہ
سجدہ ریز اس راہ میں کیونکر نہ ہوں　　میرے حق میں یہ عبادت ہی تو ہے

(۴)

مطمئن ہو کر رہا ذوقِ طرب　　لطفِ جنت آ رہا ہے مجھ کو اب
ہو چکی آغاز بارش نور کی
دیکھ لی اب جلوہ گہ اس حور کی
کیوں کروں جنت میں جنت کی طلب　　یہ ریاضِ حسن جنت ہی تو ہے

(۵)

اگلی باتوں پر کروں اب غور کیا　　واپس آسکتا ہے اگلا دور کیا

وہ جفا وہ جور کس کو یاد ہے
اس کی دلجوئی ہی اب تو یاد ہے
رازِ اطمینانِ دل ہے اور کیا — اس کی اک چشمِ عنایت ہی تو ہے

"ساقی" نومبر ۱۹۳۶ء

محبت کا پہلا مظاہرہ

اے شریکِ زندگی اے طلعت افروزِ حیات — میرے حق میں تیرا جلوہ عشرت اندوزِ حیات
تیرا ہر انداز کیف آور پیامِ ذوق ہے — ہاں تجھی سے مطمئن میری نگاہِ شوق ہے
تو جہانِ حسن میں ناظر جہانِ حسن کا — دل بڑھا اے حور اپنے رازدانِ حسن کا
اپنے کنگن دیکھنے بیٹھی ہے اب جس ناز سے — کاش ادھر بھی دیکھ لیتی تو اسی انداز سے
تیری ان نیچی نگاہوں کی قسم اے دلنواز — تیرے ہی آگے جھکے گا اب مرا فرقِ نیاز
یہ تری شرمیلی آنکھیں ہیں نشیلی کس قدر — ہے تخیل حورِ عیں کا تیرے ہی زیرِ اثر
پاک ہر اک عیب سے دامن ترا اے مہ جمال — تیرے اس معصوم جلوہ پر فدا حسنِ ہلال
یہ سراپا میرے ذوقِ دید کا معیار ہے — ہاں یہی پروردگارِ حسن کا شہکار ہے
نازشِ حسن آفریں کا راز ہے تیرا جمال — جس کا دل قائل ہو وہ اعجاز ہی تیرا جمال
تیری خوش وضعی سے قائم اعتبارِ حسن ہے — تیرے دلکش رنگ سے رنگیں بہارِ حسن ہے

مجھ کو تیرے حسن نے سمجھائے اسرارِ نیاز
تیری صورت سے عیاں میری محبت کا ہی راز

جانتا ہوں میں جو تجھ کو حاصلِ کشتِ حیات
ذوق فطری پیش کر دیتا ہی ساری کائنات

کائناتِ آرزو کی جان ہے تیری نمود
اس "عروسی شان" سے پاتا ہوں میں ذوقِ شہود

میرے دل میں چٹکیاں لے کیوں نہ یہ تیرا لحاظ
ہی تجھے بھی میری جاں میری محبت کا لحاظ

نیند کے آتے ہیں جھونکے پھر بھی تو ہشیار ہے
مانعِ خواب آج میرا طالعِ بیدار ہے

"ہمایوں" نومبر ۱۹۳۵ء

لطفِ معاملہ

فطرت کا مزاج آشنا ہوں
سرشارِ نشاطِ مدعا ہوں

صورت کا ہے اعتبار کتنا!
ہے حسن فریب کار کتنا!

انسان کو "پری" سمجھ رہا ہوں
وارفتۂ حسنِ خود نما ہوں

اب بھی نہ ہو کیفِ دید طاری
بے پردہ یہ کس کو دیکھتا ہوں

یہ شکل یہ خوشنما تبسم ! یہ وضع یہ دل ربا تکلم !
میں لطفِ حیات پا رہا ہوں
دلدادۂ حسنِ جانفزا ہوں
جو راز ہے خوش نگاہیوں کا
اُن سے نہیں دل سے پوچھتا ہوں
مقصودِ حیات اور کیا ہے دل میرا یہی تو چاہتا ہے
وہ چاہیں مجھے میں ان کو چاہوں
منشائے طرب سمجھ چکا ہوں
شوخی کی ہے جان یہ متانت
ہنستے نہیں وہ، میں ہنس رہا ہوں
بر وقت بدل رہا ہوں اسلوب اب بھی نہ ملاؤں ہاں میں ہاں خوب
کس سحر کا ہمنوا ہوں
کیا آج میں یونہی جھومتا ہوں
خود مجھ کو خجل وہ پا رہے ہیں
یوں ان کا حجاب اٹھا رہا ہوں
باتیں بھی سنیں، سنے گلے بھی وہ روٹھ رہے ہیں میں اسے بھی

اپنی ہی خطا سمجھ رہا ہوں
اور ان کو ابھارنا چلا ہوں

ادبی دنیا بابت ماہ اگست ۱۹۳۹ء

مدعائے زندگی

میں اپنا اوجِ کرمت جتا چکا ہوں بارہا
غرور زا حکایتیں سنا چکا ہزار ہا

مرے غرور و عجب کے حدود پھیلتے رہے
ابھر رہا تھا میں جہاں سب اس جگہ دبے رہے

فلک سے اپنے آپ کو رفیع جانتا رہا
ملک سے اپنے آپ کو وقیع مانتا رہا

مرا خیال واقعی ہر ایک سے بلند تھا
مری نظر میں جو بھی تھا مجھی سے بہرہ مند تھا

میں دیکھتا تھا اپنی ضو نجوم نور پاش میں
سمجھ رہا تھا نکلے ہیں یہ سب مری تلاش میں

غرض مرے خیال کی بلندیاں ہی اور تھیں
قدیم تر روایتیں ہمیشہ زیر غور تھیں

یکایک اس حسین سے مرا مقابلہ ہوا
اسی کے ہاتھوں زندگی کا طے معاملہ ہوا

مآل سعی زندگی مرے لئے یہ حور ہے
غرور مٹ گیا، بس اب سرور ہی سرور ہے

بہ جبر اس نے چھین لیں وہ میری خود پرستیاں
اسی کی یہ انکھیں دیکھ کر میں کر رہا ہوں مستیاں

اسی نے مدعائے زندگی مجھے بتا دیا
تعینات واہمہ کے تبکدہ کو ڈھا دیا
اس اک پری جمال نے سکھائے مجھ کو سب بیے
محبت و موافقت کے آرہے ہیں اب مزے
سرورِ دل، نشاطِ جاں ہمارے ہمرکاب ہیں
مناظرِ طرب فزا سے دو توں بہرہ یاب ہیں
"نسیم خلد می وزد مگر ز جوئبار ہا"
"کہ بوئے مشک می دہد ہوائے مرغزار ہا"

"ساقی" بابتہ ماہ مارچ ۱۹۳۶ء

حفاظتِ نسل

سراچۂ شعور میں میں جب کہ نو رسیدہ تھا
مسافرانہ یاس کے ہجوم میں جریدہ تھا
کسی پری جمال کی شبیہ روبرو نہ تھی
جہانِ آرزو میں تھا مگر کچھ آرزو نہ تھی
شکار و سیر کے لئے جبال و دشت اور میں
جب آئی نیند سو گیا وگرنہ گشت - اور میں
کئی بہاریں عمر کی اسی طرح گزر گئیں
مری وہ بے شعوریاں خبر نہیں کدھر گئیں

مرے شعورِ تام کا سبب "بنی کنانہ" ہی
نشاط آفریں مری بہار کا زمانہ ہے
شکار و سیر کے لئے میں جا رہا تھا ایک دن
کہ راستے میں کر دیا اسی نے مجھ کو مطمئن
ملی اسی قبیلے سے مری نظر کو تازگی
وہ اس کی آنِ تمکنت! وہ اس کی شانِ سادگی

مرا یقین گواہ ہے کہ اب میں بامراد ہوں
رفیقۂ حیات کی مخاطبت سے شاد ہوں

میں اس کا ہم خیال ہوں وہ میری ہم خیال ہے
نشاطِ بارِ زندگی کا آٹھواں یہ سال ہے

ہمارے زیرِ سایہ تین دخترِ دو پسر ہیں خوش
ہم اپنے وارثوں کو خود بھی دیکھ دیکھ کر ہیں خوش

ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں یہ بچے شرب و اکل میں
خدا کا فضل ہی مجسم ان کی پیاری شکل میں

نصیب جب ہوئی مجھے یہ "عارفانہ زندگی"
گناہِ بے مزہ بنی "مجرّدانہ زندگی"

"ہمایوں" بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء

برادر نسبتی

میں شاد ہوں اپنے بھائیوں سے، تو مجھ سے راضی ہیں میرے بھائی۔
پھپھیرے بھائی، خلیرے بھائی، ممیرے بھائی، چچیرے بھائی

پھپھیرے بھائی کو دیکھتا ہوں پھوپھی کی آتی ہے یاد صورت
وہی تکلم وہی تبسم، وہی محبت وہی عنایت

خلیرے بھائی نے یاد مجھ کو، دلایا گزرا ہوا زمانہ
وہ میری خالہ کا آکے ہنسنا، وہ میری اماں کا مسکرانا

میں جیسا ہوں دادھیال سے خوش، اسی طرح ننھیال سی خوش
پھپھیرے بھائی کے حال سے خوش، میرے بھائی کی چال سی خوش
کشیدہ خاطر نہیں ہے کوئی، ہیں ان کا شیدا، وہ مجھ پہ مائل
جو سب کے سب رشتہ دار خوش ہیں، شگفتہ ہیں باہمی وسائل
کیا ہے قانون اور شریعت نے قائم اور ایک تازہ رشتہ
جدید یہ رشتہ دار میرے لئے محبت کا ہے فرشتہ
یہ نیک انساں حقیقی بھائی مری شریکِ حیات کا ہے
برادرِ نسبتی کا دلکش اضافہ کس درجہ جاں فزا ہے
برادرِ نسبتی اِدھر خوش مری شریکِ حیات اُدھر خوش
خوش ان سے ہنس بول کر ہوں میں بھی غرض ہے اس وقت گھر کا گھر خوش
جدید ارتباط ہوگا نئے نئے رابطوں کا حامل
اسی طرح پھیلتے رہے ہیں جہاں میں چھوٹے بڑے قبائل
وسیع ہوں گے اس اشتراکِ لطیف سے دونوں خانداں بھی
ریاضِ ہستی کی ہوں گے زینت نئے مکیں بھی نئے مکاں بھی
برادرِ نسبتی کے تیور بتا رہے ہیں کہ باوفا ہے
ابھی بہت رسم و رہ بڑھے گی ابھی محبت کی ابتدا ہے

برادرِ نسبتی میں مجھ میں بڑھے نہ آئندہ کیوں صفائی
کہ ہوں گے میرے اور اس کے بیچ پھیرے بھائی جو میرے بھائی

"ہمایوں" اگست ۱۹۳۹ء

چشمِ برق پاش

ہے کسے اے مہر اتابِ جلوۂ عصمت شعار
جس سے نادم تیری غیظ افروزیٔ نصف النہار

جلوہ ممکن ہے ترا نا ممکن اس کی دید ہے
اس کی ہر تابش نظر سوزی کی اک تمہید ہے

شوقِ دید اس کی تجلی کا ہوا ہم چشم کب
مائلِ شفقت ہوئی اُس کی نگاہِ خشم کب

ذوقِ نظارہ کرے کیا اس کے جلووں کی تلاش
الاماں وہ اس کے تیور اُف وہ چشمِ برق پاش

ہے شبابِ حسن اس کا رشکِ مہرِ نیم روز
اس کی تابش پر ہے نازاں یادِ برقِ طور سوز

درخورِ نظارہ ہو خورشیدِ عصمت کا فروغ
افترا، بہتان، طوفاں، ادّعا، دھوکا، دروغ

ہے نگاہِ ناز پرور اس کی سب سے بے نیاز
کیوں نظربازوں سے کرتا اس کا جلوہ سازباز

گرچہ وہ بے پردہ تزئینِ سپہرِ ناز ہے
حیرت افزا پھر بھی اس کے حسن کا اعجاز ہے

غیر محرم کو نہیں ہے اس کے نظارہ کی تاب
اپنے محرم کے لئے مہتاب ہے وہ آفتاب

ہمایوں بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۶ء

عشرتِ برشگال

ہندی ہوں میں بہار ہے مجھ کو یہ برشگال
ہاں ساقیا نکال پرانے سبو نکال

دکھلاتی ہے نسیم جو اٹکھیلیوں کی چال
سب مل کے وجد کرتے ہیں گلشن کے نونہال

شاخیں ہری ہری نظر آتی ہیں ہر طرف
سب ایک رنگ میں ہیں تکلف ہے برطرف

کل تک تھی جاں گداز مری حسرتِ نگاہ | لیکن ہے آج اور ہی کیفیتِ نگاہ
بن کر رہی نویدِ طرب عشرتِ نگاہ | میرے لئے بھی اب ہے چمن جنتِ نگاہ

دلبر ہے پاس رنج سے حاصل فراغ ہے
برسات کا زمانہ ہے دل باغ باغ ہے

خوش کن نشاط ریز فضا کا ہے التفات | دلکش سرور بخش ہوا کی نوازشات
مربوط کیا اسی سے ہیں اجزائے کائنات | بارش کے تار تار میں ہے نغمۂ حیات

قدرت کا ہاتھ چھیڑ رہا ہے ستار پھر
دیکھو برس رہا ہے وہ ابرِ بہار پھر

برسات میں ہے لطفِ شبِ ماہتاب کا | کیا پوچھنا مری نگہہ انتخاب کا
یہ چودھویں کا چاند یہ عالم شباب کا | شوخی میں اس کی رنگ ہے کچھ کچھ حجاب کا

یہ ابر کی سیاہ قناتیں بڑی بڑی
چھپ چھپ کے چاند کا یہ نکلنا گھڑی گھڑی

برسات ہی میں آتے ہیں ہر بات کے مزے | کیونکر کہوں لطیف خیالات کے مزے
ہیں جانفزا کسی کی ملاقات کے مزے | ہے ہے یہ دل پسند مدارات کے مزے

احسان ہے یہ منعمِ فطرت نواز کا
"کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا"

ہر قسم کے مذاق سے دل میرا شاد ہے　　اے دوست ذائقہ مجھے ہر شئے کا یاد ہے
پوشیدہ کیا کسی سے مرا اجتہاد ہے　　ممنوع ہے وہ چیز جو وجہ فساد ہے
چکھے کبھی لطافتِ انگور کے مزے
پائے کبھی معانقۂ حور کے مزے

جھولا جھلا دیا جو کسی گل عذار کو　　ساتھ اپنے کر لیا روشِ روزگار کو
راحت ہوئی نصیب دلِ بے قرار کو　　سمجھائیں اب حقیقتِ حسنِ بہار کو
یہ دورِ برشگال یہ عہدِ شباب، واہ
یہ جلوہ اور یہ نگہہ کامیاب واہ

"ہمایوں" ستمبر ۱۹۳۶ء

طلسمِ مجاز

یہی نگاہ یہی "ساز باز" رہنے دے
مرے لئے تو درِ فتنہ باز رہنے دے

بصیرتوں سے مجھے بے نیاز رہنے دے　　حقیقت اپنی بہ حدِ مجاز رہنے دے
مری نگاہ کو نظارہ باز رہنے دے

(۲)

جو عشق و حسن میں ہے امتیاز رہنے دے
یہی مشاہدہ اے دل نواز رہنے دے
بڑھائے جا یوں ہی کیفِ نظر بڑھائے جا
تو حلقہ ہائے نگاہ ہوس پرست میں آ
تصوراتِ دلِ پاکباز رہنے دے

(۳)

رہین "حسرت راز و نیاز" رہنے دے
انہیں حدوں میں مجھے سرفراز رہنے دے
میں چاہتا ہوں اسی طرح سے رہوں ناکام
متاعِ بلبل و پروانہ سے مجھے کیا کام
مرے لئے ہوسِ سوز و ساز رہنے دے

(۴)

مری نگاہ کا دامن دراز رہنے دے
"معاملہ" کی خوشی کو تو راز رہنے دے
ترے خیال سے لے جاؤں میں اگر "بازی"
گناہ میرے لئے کیوں ہو پھر نظر بازی
کچھ اور دن ابھی حکمِ جواز رہنے دے

(۵)

فروغِ دیدۂ آئینہ ساز رہنے دے
وہ اپنا جلوۂ بینش گداز رہنے دے
خدا گواہ نہ تھا میں تو سائلِ دیدار
بتا دیا تری شوخی نے مائلِ دیدار
مجھے قریب حریم مجاز رہنے دے

"ادبی دنیا" بابتہ مئی ۱۹۳۶ء

خندۂ دلنواز

کیا ابھی وہ میرے شکووں پر ہنسے
جب ملے ہنس کر ملے مل کر ہنسے
ہے حسینوں کی ہنسی ہیں دل کشی
خاص کر جب نوجواں دلبر ہنسے
میرا دل کر دیں شگفتہ کیوں نہ وہ
جن کے جلووں میں حسیں منظر ہنسے
یہ چمن یہ حور وش یہ چاندنی
میں ہنسا، کلیاں ہنسیں اختر ہنسے
کیوں نہ ہو مسحور مجھ سا سادہ دل
آہ جب ایسا فسوں پرور ہنسے
ان کو ہنسنے کا بہانہ مل گیا
میرے دل میں چٹکیاں لے کر ہنسے
حسن ایسا اور یہ جادو گر شباب
کیوں نہ ان کے ساتھ سارا گھر ہنسے
نوجوانی کی ہنسی مشہور ہے
اپنی ضد پر خود ہنسے مجھ پر ہنسے

بے محل ہے یہ ہنسی یا بر محل کون پوچھے ان سے وہ کیونکر ہنسے
ہے جوانی ان کی ہنس مکھ کس قدر
جب ملے ہنستے ہوئے آئے نظر

"ادبی دنیا" بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء

پھول

جانِ تجھ پہ عنادل نے بے وجہ نہیں واری ہیں دل کو لبھانے کی تجھ میں یہ صفتیں ساری
نرمی تری دلکش ہے رنگت ہے تری پیاری دل پر مرے کیفیت کیوں تجھ سے نہ ہو طاری
اے گل زتو خورسندم تو بوئے کسے داری

ہیں محو جو تجھ میں ہوں لوگوں کو تحیر ہے کیا علم انہیں مجھ کو اب کس کا تصور ہے
پنہاں تری ہستی میں واللہ بڑا گر ہے تا چند کئے جاؤں میں شرحِ طلبگاری
اے گل زتو خورسندم تو بوئے کسے داری

افسردگیٔ دل کا میں کس سے کہوں عالم مٹی کے پیالے سے کم قدر ہے جامِ جم
ہے میری نگاہوں میں ہر چیز سبک اس دم لیکن تری قیمت ہے پہلے کی طرح بھاری
اے گل زتو خورسندم تو بوئے کسے داری

ہے شانِ چمن تجھ سے جانِ چمن آرا تو　　تفریح طلب دل کا بے شک ہے سہارا تو
مطلوبِ عنادل تو میرا بھی ہے پیارا تو　　سر میں ترا سودا ہی لب پر یہ سخن جاری
اے گل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

"ادبی دنیا" بابتہ ماہ مارچ ۱۹۳۵ء

گل و گلرو

کس وقت نہیں زیب دہ حسن بشر پھول　　ہر عہد میں رازِ کششِ قلب و نظر پھول
عشرت کدۂ نور جہاں پھولوں سے مہکے
سرشار مئے عشقِ جہانگیر نہ بہکے
اعجاز نما کب نہ بنے شعبدہ گر پھول

ہر روز بڑھا جائیں مرا ذوقِ نظر پھول　　یاد اُن کے تبسم کی دلائے مجھے ہر پھول
ہے ہے وہ گلستاں وہ عنادل وہ ترانے
اُف اُف وہ شبستاں وہ محافل وہ زمانے

ہیں آج بھی میرے لئے تنویرِ نظر پھول ________
جاتا ہوں جدھر میں ادھر آتے ہیں نظر پھول تو ساتھ یہ گلزار ادھر پھول ادھر پھول

میں ہی نہیں کرتا ترے انداز پہ عش عش
جانِ چمنستاں ہے ترا خندۂ دلکش

کھلتے ہیں تجھے دیکھ کے اے رشکِ قمر پھول ________
ہیں کچھ ترے ہمرنگ بھی اے رشکِ قمر پھول لیکن ہیں تصدق تری اس شان پہ ہر پھول

حسنِ چمنستاں کے نگہبان نہ ہوتے
معلوم یہ ہنستے ہوئے ہر آن نہ ہوتے

مسرور تری دید سے ہوتے نہ اگر پھول ________
کچھ زندہ دلی کا نہیں سامان مگر پھول دلچسپ تری وجہ سے ہیں تازۂ و تر پھول

گلشن کی فضایوں ترے جلووں سے بدل جائے
چھیڑے جو نسیم سحری کیوں نہ ہنسی آئے

غنچے بھی نظر آنے لگے وقتِ سحر پھول ________
قدرت کے مناظر کی سناتے ہیں خبر پھول فطرت کی بہاروں کا جتاتے ہیں اثر پھول

ہر پھول کی تنویر ہے آئینۂ اسرار
خالی کہیں ہوتا بھی ہے گنجینۂ اسرار
روزانہ لٹائیں گے اسی طرح سے زر پھول

"کنول" بابتہ ماہ جنوری ۱۹۳۷ء

جامِ مئے عرفاں

جو عیش فزا "دعوت نامے" فطرت نے نظر بازوں کو دیئے
دلچسپ مناظر نے ان کے کچھ عکس اِدھر بھی پیش کئے
"گلگشتِ خصوصی" کے ساماں سورج نے دیئے تاروں نے لئے
غل شام کی آمد آمد کا پیغامِ سکوں ہے سب کے لئے

دکھلائے گا جلوہ ماہِ مبیں اب لے کے جلو میں تاروں کو
چمکائے گی طلعت اس کی ابھی دنیا کے حسیں نظاروں کو
دیکھیں گے ابھی رخشندہ حیرت سے ابھی مہ پاروں کو
ہو داغ زدہ دل میری طرح جس شخص کا وہ کیا خاک جئے

دیکھو دو مہہ تاباں نکلا یہ پیکر نور اللہ اللہ
یہ "حسن مقید" اور اس کا ہو مجھ کو شعور اللہ اللہ
سورج کے جمالِ دلکش کی یہ شانِ ظہور اللہ اللہ
اک "جام مئے عرفاں" جو ملا ہر شخص نے دو دو گھونٹ پیئے

سمجھو نظر افروزان کو بھی آتے ہیں نظر جو سیّارے
بے وجہ نہیں ہیں گردش میں اے دوست یہ "نوری ہرکارے"
ہوتے ہیں نصیب ان کے باعث ہم کو یہ دل افزا نظارے
آئینِ نظامِ شمسی ہے دستورِ بقا عالم کے لئے

ہے رازِ جمالِ لیلئ شب حسنِ مہ و انجم غور کرو
کرتے ہیں حسین اس منظر پر کس طرح تبسم غور کرو
منظور کدھر ہو آؤ ادھر اس سین پہ اب تم غور کرو
"تاریخ سلف" پڑھنے دو مجھے میں نے یہ مناظر دیکھ لئے

"کنول" بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۷ء

چاند اور سورج

ابرِ سیہ کی فرسودہ وہ چادر
تاریک رکھتی کب تک یہ منظر
طلعت پہ ظلمت کیا غالب آتی
کھلتے نہ کب تک فطرت کے جوہر
دامن گھٹا کا خود چاک کر کے
دیکھو! وہ نکلا ماہِ منور
یہ خاص مظہر مہرِ مبیں کا
کتنا حسیں ہے اللہ اکبر

جو روپ اُس کا وہ روپ اس کا
اتنا مشابہ چہرہ ہے کس کا

مظہرِ "جلالی" مظہرِ "جمالی"
دونوں کی صورت ہے بھولی بھالی
دونوں سبک روان کی روش سے
ظاہر نہیں ہے آشفتہ حالی
تابندہ ان کے "فیضِ اثر" سے
بزمِ خیالی ——— بزمِ مثالی
دن اس سے تاباں رات اس سے روشن
"زرکار مسند" کب دیکھی خالی

نظریں ہیں اِن پر حسنِ "اتم" کی
جلووں سے اس کے شان ان کی چمکی

خوبی سے کوئی کب ہے معرّا
قدرت کا شاہد ہے ذرہ ذرہ
لیکن ہے ان کی شان اور ہی کچھ
ارض و سما کو ہے ان پہ غرّہ

آئے گہن میں بھی یہ تو کیا غم — ذات ان کی ظلمت سے ہے مبّرا
ہیں میرے روز و شب ان سے دلکش — ہوتا ہوں ان سے خوش روزمرہ
گھٹتی ہے عشرت میری نظر کی
لے لو بلائیں شمس و قمر کی

خوش کن جب ان کا جاہ و حشم ہو — ذوقِ نظر پھر کیوں میرا کم ہو
بالغ نظر ہوں اس سے نہ کیوں خوش — کل "نوریوں" کی ضو جس میں ضم ہو
ہوں دیدہ ور کیوں اس سے نہ شاداں — تاروں کا باقی جس سے بھرم ہو
ان کی نمودِ ظلمت رُبا پر! — پرتو فگن جب نورِ قدم ہو
ہو چاند مدھم یا ماند سورج
چمکیں گے یونہی یہ چاند سورج

سالنامہ ادبی دنیا ۱۹۳۹ء

مہرِ جہانِ حسن

ہیں وہی فخرِ دو جہاں ہیں وہی شاہِ انس و جن
ان کے اثر کی وجہ سے دل ہیں ہمارے مطمئن
لطفِ تصورِ نبیؐ کس سے بیان ہو سکے
نام نبیؐ ہر ایک کے وردِ زباں ہے رات دن

شغلِ درود کا صلہ کس کو یہاں نہیں ملا
قطع نہ ہو یہ سلسلہ پائیگا اس سے دل جلا
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

جس سے تھے منفعل بشر آج وہ شور و شر کہاں
دیکھیں اب آکے خوش نظر جہل کا ہے اثر کہاں
چھپ گئے فتنہ گر کہاں ختمِ رسُل کے خوف سے
ختمِ رسُل کے خوف سے چل دیئے خیرہ سر کہاں
کافۃً انام کے واسطے بعثت آپ کی
سارے جہاں میں کیوں نظر آئے نہ امت آپ کی
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

خواجۂ کائنات کی لائے مثال کیا فلک
دونوں ہیں عجز آشنا خواہ زمیں ہو یا فلک
قائلِ ہفت آسماں قائل نہ فلک ہیں آج
نو سے بھی گر زیادہ ہوں آگے نظر کتنا فلک
خواجۂ کائنات کا مثل نہ آئے گا کوئی
خواجۂ کائنات کا مثل نہ پائے گا کوئی
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

کس میں ہے تاب چل سکے کیا کوئی ہمرہ رسلؐ — اوجِ خیال سے ادھر رفعتِ درگہِ رسلؐ
مرتبہ ہر رسولؑ کا جب ہو رفیع اس قدر — کون بیان کر سکے پھر شرفِ شہہِ رسلؐ

نعتِ شہہِ رسلؐ لکھے مجھ سا حقیر کیا مجال
دل نہیں مانتا مگر یعنی انہیں کا ہے خیال

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

حسنِ نگاہ ان سے ہے خوش لطفِ خیال ان سے خوش — فکرِ جمیل ان سے خوش ذوقِ جمال ان سے خوش
کل حسنات پرتوِ قلب و رخِ رسولؐ ہیں — صاحبِ قال ان سے خوش صاحبِ حال ان سے خوش

مہرِ جہانِ حسن ہے نورِ تصورِ نبیؐ
رازِ تجلیاتِ حق طورِ تصورِ نبیؐ

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

منشور / وقت — شاید سنہ ۱۳۵۲ھ

نورٌ علیٰ نور

دل کا سرور چاند ہے آنکھوں کا نور چاند — میں چاند سی ہوں دور نہ مجھ سے ہے دور چاند
پیشِ نظر ادھر کوئی مہ پارہ اور ادھر — دکھلا رہا ہے جامِ شرابِ طہور چاند
دیتا ہے کیا مجھی کو یہ جامِ مئے ولا — نشہ میں اِس شراب کے ہے خود بھی چور چاند

لیتا ہوں چاندنی ہیں مزے زندگی کے میں
میرے خمار کے لئے وجہ سرور چاند

کرتا رہا ہمیشہ مجھے خوش یہ خوبرو
لاتا رہا کسی کا پیامِ ظہور چاند

برقِ جلال و چشم جمال آشنا یہ کیا
دیکھوں گا میں نوائے ارنی گوئے طور چاند

جلووں پہ اس کے عقدِ ثریا نثار ہے
پھر بھی نہیں دکھاتا ادائے غرور چاند

دیکھے جو اس کو طفل شر برآئے ضد سے باز
کرتا ہے بے شعور کو بھی باشعور چاند

نظارہ اس کا ماحی آثار رنج و غم
ہے واقعی مجسم سور و سرور چاند

جس دم ہوں نوریان سمٰوات سامنے
ہو چشمِ انتخاب کی طلعت ضرور چاند

رضواں کو اختلاف ہی اس رائے سے تو ہو
ہے میرے پاس رشک دہِ روئے حور چاند

غیرت سے غیر کی طرف اٹھتی ہی یہ نہیں
جب دیکھتی ہے میری نگاہِ غیور چاند

ہیں "والقمر" کے راز سے آگاہ ہو گیا
منظور اب بن گیا مرے دل کا سرور چاند

کیوں روضۂ علیؑ کے کلس پر نہ ہو نثار
پاتا ہے جس سے نور نہیں اس سے دور چاند

لے لے کے نورِ شمس ولایت سے بن گیا
سرمایہ دارِ روشنیٔ برقِ طور چاند

دیکھو کمال اس کا "نزول و عروج" میں
سالک ہی بہرِ صوفی والا شعور چاند

سورج ہے یہ بھی پیکرِ نور اصل میں مگر
کہتے ہیں لوگ دیکھ کے شانِ ظہور چاند

آتا ہے نام چاند کا سورج کے ساتھ ساتھ
ظاہر میں دیکھنے کو ہے سورج سے دور چاند

"والشمس" کی ہی اس سے عیاں شان کیوں نہ ہو
سب سے بڑا مفسرِ آیاتِ نور چاند

سورج فدا رخِ نبوی پر ہے بالیقیں
صدقے ہے روئے مرتضوی پر ضرور چاند

سورج دمِ رحیل سوئے طیبہ سجدہ ریز
ساجد نجف کی سمت بوقتِ مرور چاند

کس سے بیاں ہو مرتبہ طیبہ و نجف
پاتا ہے سورج ان سے ضیا اور نور چاند

ہجرِ علیؑ میں داغ زدہ میرا دل بھی ہے
ہوا اپنے ہم خیال سے کیونکر نفور چاند

ہوتی ہے گفتگو مری اس سے کبھی کبھی
جاتا ہے میرے گھر کی طرف سے ضرور چاند

کہتا ہے سرگزشتِ نجف مجھ سے چاند خود
سن سن کے مجھ سے واقعۂ کوہِ طور چاند

دل میرا عرش عرش نشیں بوترابؑ ہیں
اس عرش کے لئے بنا قندیلِ نور چاند

بنتا علیؑ کے روضۂ انور کا خود چراغ
کرتا جو علمِ ذات پہ حاصل عبور چاند

بے وجہ اس کے جلوہ سے ہوتا نہیں ہے خوش
آئینہ دارِ مرتضوی ہے ضرور چاند

کہتا نہیں شبیہہ علیؑ اپنے آپ کو
ہاں بخشتا ہے روئے علیؑ کا شعور چاند

اب تک مثیلِ مہرِ امامت نہیں ملا
قندیلِ نور لے کے پھرا دور دور چاند

اصحابؓ میں بھی آپ ہیں آلِ عباؑ میں بھی
مثلِ نجوم کیوں نہ ہو نحو حضورؐ چاند

کرتا رہے گا روضۂ انور کا یوں ہی طوف
اب تک ادائے فرض میں ہے بے قصور چاند

دیدِ علیؑ کا راز چھپائے مجھی سے کیوں
پائے نہ جب حواس میں میرے فتور چاند

جس میں علیؑ کے نام کا روشن چراغ ہے
کہتا ہے اس مکان کو مشکوٰۃِ نور چاند

اپنے فدائیوں کے لئے جلوۂ علیؑ
سورج کو بھی بنائے گا روزِ نشور چاند

منتظر ہو کیوں نہ چاند کو دیکھے عقیدتاً
ہو گا کبھی تو ناظرِ روئے حضورؐ چاند

سفینہ سالگرہ نمبر ۱۳۵۶ھ

نمایندۂ سلطانِ خاور

۱۔ محبت آفریں جلوؤں سے اِس دنیا کی تزئیں ہے
ادہر دیکھو طلوعِ ماہ بھی کیا مہر آگیں ہے
کمال اس نے دکھایا مہر کے حسنِ شباہت کا
کہاں اِن چھوٹے تاروں میں جمال اس کی وجاہت کا

۲۔ "دیئے" دکھلا رہے تھے دور ہی سے گرچہ سیارے
نہاں تھے پھر بھی نظروں سے جہاں افروز نظارے
مناظر چاند سے اب اکتسابِ نور کرتے ہیں
نہیں ہنستے یہ خود ہی ہم کو بھی مسرور کرتے ہیں

۳۔ جبہ تاباں کے نورانی اثر کا پوچھنا کیا ہے
ستاروں کی طرح غنچوں میں بھی نور اس کا چھنتا ہے

سببِ حیرت کا ہو کیوں گلبنوں کی طلعت افشانی
بنا دے چاند جب خود ان کے سایہ کو بھی نورانی

۴- اڑاتے تھے ہنسی بے وجہ جو شب زندہ داروں کی
کھٹکتی تھی نظر میں خیرہ چشمی جن ستاروں کی
نمودِ ماہ نے اِن خیرہ چشموں کو چھپا ڈالا
تنک ظرفوں کی دنیا ہوگئی آخر تہہ و بالا

۵- ستارے اب جو آتے ہیں نظر ان کی ضیا دیکھو
یہ "روشن دل" ہیں اِن میں شانِ اربابِ صفا دیکھو
ستاروں کا یہ جھرمٹ ایسے جھرمٹ میں مہہ تاباں
عطا کرتا چلا ہے سب کو جامِ تہنیت ساماں

۶- جلوسِ "آمرِ انجم سپہ" ہے دیدنی دیکھو
یہ اجلالِ حشم یہ کروفر یہ روشنی دیکھو
یہی ہے مستقل سلطانِ خاور کا نمائندہ
نیابت کی ہے مسند اس کے ہی جلووں سے تابندہ

---

۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

تاروں بھری رات

تاروں کے سوا فلک پہ کیا ہے
تابندہ انہیں سے یہ فضا ہے
پھیلاؤ انہیں کا عشرت آگیں
ترتیب انہیں کی خوشنما ہے
جس وضع کو دیکھئے نرالی
جس نقش کو جانچئے نیا ہے
ترصیع سے ہو رہا ہے دل خوش
تشبیہہ ہر ایک جاں فزا ہے

استادہ کہیں اسد کہیں ثور
جوزا کی حسیں کمر کا یہ طور!

میں کاہکشاں کو دیکھتا ہوں
پروین و پرن سے آشنا ہوں
یہ طلعت و رفعتِ ثریا!
حیران میں اس پہ ہو چکا ہوں
قدرت کے کمال کا ہوں قائل
فطرت کے جمال پر فدا ہوں
مست ان کی جھلک بنا رہی ہے
خوش ان کی چمک سے ہو رہا ہوں

بینش مجھے رہ دکھا رہی ہے
دانش مجھے کچھ جتا رہی ہے

تاروں کے یہ دلکشا نظارے
انداز یہ ان کے پیارے پیارے
ہر اک حرکت لطیف ان کی
دلچسپ ہیں ان کے سب اشارے

پانی میں سلگ رہے ہیں تیر اک — یا ٹوٹتے جا رہے ہیں تارے
تارے نظر آ رہے ہیں یا پھول — یہ پھول ہیں یا حسیں شرارے
معلوم نہیں حقیقت ان کی
تکتا ہوں پھر بھی صورت ان کی

دیکھو! یہ عجیب سینری ہے — زینت دہِ چرخ چنبری ہے
کہتے ہیں جسے نظامِ شمسی — یہ اس کی ہی جلوہ گستری ہے
مریخ و عطارد و زحل ہیں — زہرہ ہے قمر ہے مشتری ہے
بالغ نظر آئیں، آ کے دیکھیں — میری تو نگاہ سرسری ہے
بڑھ جاؤں گا میں بس اتنا کہہ کر
دلکش ہے یہ نور پاش منظر

میرا سببِ حیات کچھ اور — تاروں کی ہے کائنات کچھ اور
کس رنگ میں ہیں وہ کس کو معلوم — ہیں میرے تخیلات کچھ اور
خاص ان کی ہے انجمن، مگر میں — سمجھا ہی نہیں نکات کچھ اور
بے ربط ہیں پستی و بلندی — میں اور ہوں ان کی بات کچھ اور
یاں رہ کے سناؤں کیا وہاں کی
نسبت ہے زمین و آسماں کی

ساقی سالنامہ جنوری ۱۹۳۷ء

یکسوئی

خود وہ حسین بُرا کہے دل کے اِس انتشار کو
اب تو سمیٹنا پڑا وسعتِ کاروبار کو

دل میں جمائے جاؤں گا دھیان فقط اسی کا میں
دل سے مٹائے جاؤں گا اب جو دوئی کے نقش ہیں

راستہ میکدے کا لوں ؟ جی نہیں مانتا مرا
قصدِ صنم کدہ کروں ؟ یہ نہیں راستہ مرا

مئے کدہ و صنم کدہ اب طرب آفریں نہیں
چھوڑ کے کوئے دوست کو جاؤں اُدھر ؟ نہیں نہیں

دیدِ جمالِ ہر صنم اب نہ رہی جلائے دل
ہے فقط اک حسین بت رونقِ مدعائے دل

کیوں مرا عشقبازِ دل زہد کا اشتہار دے
میری حیاتِ عشق کو کیوں نہ وہی سنوار دے

جس کے غیاب میں بھی میں وقفِ پرستش آج ہوں
سائے میں جس کی یاد کے خوش دلی و خوش مزاج ہوں

درخورِ یادِ دوست ہے یک جہتی خیال کی
روح فزا یگانگت ہے مرے حال وقال کی

حسنِ غیور کی قسم دل مرا پاک باز ہے
غیرتِ حسن ہی مری پاک دلی کا راز ہے

تازہ بہ تازہ نو بہ نو حسن کی یہ تجلیاں
میری نظر کے واسطے بن گئیں خود نگاہباں

جن کے معاملات میں حرص و ہوا کا میل ہے
اُن کا معاشقہ نہیں "وقت پسند کھیل" ہے

کھوئی جنہوں نے آبروِ آرزوئے وصال کی
اُن سے روش نہ مل سکی میرے کسی خیال کی

حدِ شہود و علم میں ہے جو یگانۂ جہاں
ہیں اسی مہرِ حسن کی میرے لئے تجلیاں

دوست کی ہیں تجلیاں روح فزا مرے لئے
میری وفا نظر کشا ہے مرے دوست کے لئے

ساقی اگست ۱۹۳۹ء

شرحِ اعتبارات

کیا میرے ہی گلے میں محبت کی ہے کمند — وابستہ عشق سے ہیں زمانے کے جوڑ بند

کہتا ہوں ایک نکتہ میں اب مجملاً یہاں — تفصیل پھر کروں گا بہ عنوانِ دل پسند

جراَت ہیں اور میر تقی میرؔ اور ہیں — ان کا مذاق پست، خیال ان کا ہے بلند

اٹھ جائے گر بلندی و پستی کا اعتبار — یہ دونوں عشقباز نظر آئیں دردمند

کیا ان کی زندگی ہی محبت کی زد میں تھی — دنیا میں دل کسی کا بھی دیکھا نہ بے گزند

میری نظر میں عارف و عامی بقدرِ ظرف — سب ہیں جنابِ عشق سے فی الجملہ بہرہ مند

ہے فیضِ عشق عام یہ دنیائے عشق ہے — مخصوص کیوں ہوں صرف سمرقند و تاشقند

انساں کا دل ہے اور محبت کی آگ ہے — یعنی وہی معاملۂ مجمر و سپند

اے دوست! بوالہوس پہ بھی جائز نہیں ہنسی — خود میری احتیاط ترے واسطے ہی پند

پرتو ہے بوالہوس پہ بھی کچھ حسنِ ذات کا — تو اور اس کے وصفِ اضافی پہ زہرخند!!

"ہمایوں" جولائی سنہ ۱۹۴ء

کاشفِ رمزِ مساوات

ہیں اپنے تزکیۂ دل کا خود نہیں بانی
مرا خیال ہے پروردۂ مسلمانی

خبر ہے سب کو میں دامن گرفتہ کس کا ہوں
نہیں ہے خود مجھے دعوائے پاک دامانی

سر اپنا کیسے اٹھاؤں جو پاؤں ایسے قدم
وہ جُرم بخش ہیں خو کردۂ پشیمانی

غرورِ دورِ گزشتہ بیاں کروں کیونکر
کہ اس کی یاد سے ہوتی ہے اب پریشانی

مری نگاہ میں بے شک حقیر تھے کل تک
شیوخ دُودۂ شیخین و آلِ عثمانی

ہیں ان کو اپنے برابر کبھی نہیں سمجھا
مغل جو کرتے رہے دعوئے سلیمانی

ہیں جانتا تھا ہر اک افتخار کو پامال
مری بلا کو خبر کیا خطاب ہے "خانی"

نمود فخر وہ ہوتی تھی میرے چہرہ سے
خجل ہو جس کے مواجہہ میں نازِ سلطانی

سلام کی حرکت وہ کہ خوش نظر سمجھیں
ہوئی ہے ہاتھ کو جنبش پئے مگس رانی

مرے حضور میں آتے تھے دست بستہ کبار
جھکائی سب نے مرے در پہ اپنی پیشانی

مقابلہ مرا اب تک کسی نے بھی نہ کیا
ہر اک نے میری سیادت کی شان پہچانی

مگر بفضلِ خدا مجھ کو خود خیال آیا
کہ اس سلوک کی دشمن ہے طبعِ انسانی

بشر بشر کی بڑائی سے خوش نہیں ہوتا
بزرگ خود کو بنانا ہے سخت نادانی

یہ دھیان آتے ہی میں نے کیا خطاب اس سے
بربِ کعبہ مساوات کا ہے جو بانی

مطلع

ترے فروغ سے اے رازِ اوجِ انسانی
فضا "انا بشر مثلکم" کی نورانی

جدا نہیں ترے عرفان سے خدادانی
نہیں ہے کوئی بھی کونین میں ترا ثانی

تری فضیلتِ کلی کا ہوں نہ کیوں قائل
کہ ضبطِ ذہن ہیں میرے نصوصِ قرآنی

ترے کمال پہ حیراں کرامتِ ملکی
ترے جمال پہ نازاں کمالِ انسانی

مشاہدات کی رونق ہے تیرے جلوے سے
ترے شہود میں ہے ذوق کی فراوانی

عن النبیؐ" بین ہے کیا بات کہہ نہیں سکتا
تری حدیث ہے شرحِ کلامِ ربّانی

ترے اصول میں ترمیم ہو یہ ناممکن
ہے اس خصوص میں شرمندہ سعیٔ امکانی

دلوں میں اب بھی ہے اعزاز آدمیت کا
جو تو نے کی تھی مساوات کی نگہبانی

ہر اک بشر تری فطرت نوازیوں پہ نثار
ہر اک ادا ہے تری درخورِ ثناخوانی

کہا ہی تو نے ہی "سلمان منا اہل البیت"
یہ شان ذرہ نوازی ہے وجہِ حیرانی

امیر زید ہیں جن کے ہیں ان سواروں میں
شریک جعفرِ طیار حمزہؓ ثانی

یہ ہے اثر تری تعلیم کا کہ اے شہہ دیں
نسب کا فخر ہے مسلم کے پاس نادانی

عمرؓ پکار اٹھے "الیوم مات سیدنا"
چلے بلال جو سوئے ریاضِ رضوانی

ہیں ابن زید ابوبکرؓ کے لئے آمر
سوادِ جیشِ اسامہ ہی تجھ سے نورانی

ترے جلوس میں عمار بھی ہیں سلماں بھی
نہ امتیاز حجازی نہ فرقِ ایرانی

ترے کرم سے ہیں سب شاد خسروانو نے
بقدر علم وعمل سب کی قدر پہچانی

ترے طفیل سے اے خاتم الرسل ہم میں
ہے اب بھی جنسِ مساوات کی فراوانی

سلام تجھ پہ تری ذریت پہ اے مولا
ہے تجھ سے اشرف مخلوق نوعِ انسانی

ہر آدمی جسے منظور ہو عروج اپنا
ترے اصول کی کرتا رہے نگہبانی

نظام المشائخ رسول نمبر ۱۳۵۵ھ

امتیازِ ہندوفرنگ

خودی ہے میری ہمیشہ کی طرح شوخ وشنگ
بدل سکا نہ کوئی انقلاب اس کا رنگ

زمانہ ساز ہیں کیوں آج مجھ سے برسرِ جنگ
کب ان کے زور سے دبتی ہے میرے دل کی امنگ

ابھر رہا ہوں، ابھرنا مرا یقینی ہے
خودی سکھاتی ہے خود ہی ترقیوں کے ڈھنگ

جسے نصیب خودی ہے نہ دوربینی ہے
شعور اس کا حوادث کی زد سے ہے دل تنگ

مئے خودی کا بدل جس کے واسطے ہے بھنگ
دکھائے خاک وہ افسردہ حال اپنی ترنگ

مئے خودی سے ہوں بے شبہہ میں تو متوالا
قسم خدا کی خودی دوست ہے خدا والا

مقدّرات نے بے خود جسے بنا ڈالا
ہے اس کے عزم کی دنیا سدا تہہ و بالا

تُلا ہوا ہے عزیمت فروشیوں پہ جو آج
وہ شخص خود بھی اپاہج ہے اس کا عذر بھی لنگ

خدا کے فضل سے ہر سو ہے اب خودی کا راج
خدارسی ہے نشاطِ خودی سے ہم آہنگ

خود اعتماد ہیں خوش دل بغیر بادۂ و چنگ
یہ خوش دلی بخدا ہے طفیلِ نام و ننگ

جو بے خودی کے اثر سے بشر مبرّا ہے
چمک دکھانے پہ آمادہ ذرّہ ذرّہ ہے

خودی کے نور سے اب کس کا دل منور ہے
سفید رنگ پہ کیا اب کسی کو غرّا ہے

حیات کی ہے وہ رو، ہو کہیں کا بھی پانی
خوش اس کی لہر سے ہیں اہلِ دانش و فرہنگ
شراب اس کو سمجھ کر ہوئی پشیمانی
وہی ٹیمس کا پانی وہی ہے آبِ گنگ
نہ ہونے دے گی مساوات پر خودی اب دنگ
کہ اٹھ چکا ہے قدیم امتیاز ہند و فرنگ

سالنامہ ادبی دنیا بابتہ ۱۹۴۰ء

اظہارِ حقیقت

شریف آدمی سر جھکاتا نہیں
کسی طرح ذلت اٹھاتا نہیں
حقیقت کو روشن کروں گا ضرور
فقط ہاں میں ہاں میں ملاتا نہیں
بہت میں نے اس بات پر کی ہے غور
ادب سے تو میں جی چراتا نہیں

وہ بندہ کو مولا بناتا نہیں
امیروں کے دل کو لبھاتا نہیں
ہر اک بات پر کیوں کہوں جی حضور
کہ اپنے میں کچھ نقص پاتا نہیں
ادب اور کچھ ہے خوشامد ہے اور
خوشامد کا فن مجھ کو آتا نہیں

میں دشمن ہوں ان کا جو ہیں بے ادب
بزرگوں کا کرتا ہوں دل سے ادب
مگر ان کو دھوکے میں لاتا نہیں
کہ جھوٹی عقیدت جتاتا نہیں
طبیعت سے میری سب آگاہ ہیں
کروں کیوں کسی کی خوشامد کہ میں
کسی سے خوشامد کراتا نہیں
خوشامد پسندوں میں جاتا نہیں
بھلائی ہے منظور منظورؔ کی
نہ کیونکر کہوں پھر بڑی دور کی
غرض میں کسی کو بناتا نہیں
ترانے خوشامد کے گاتا نہیں

پریم - لاہور ۹ر مارچ ۱۹۳۶ء

کتابۂ ضمیر پسند

یوں کھلے گلشنِ ملت میں خوشامد کے پھول
"خندہ آمادہ" ہو جیسے کوئی دلگیر و ملول
دیکھ کر ان کو بہار گزراں روتی ہے
"زہر خند" آہ خوشامد کی ہنسی ہوتی ہے
فصلِ گل سے نہیں اِن پھولوں کو بالکل سروکار
یہ تو ہیں گلشنِ ملت کی خزاں کے آثار
قوم افسردہ دل ایسے ہی کھلاتی ہے پھول
مرثیے دورِ خزاں میں ہیں بہاراں کے اصول
جب تصنع کی مذمت کا ہٹایا پردہ
دل گرفتہ نظر آئے یہ خزاں پروردہ

کاش یہ پھول نہ کھلتے چمنِ ملت میں
یہ چمن کاش نہ آتا نظر اس صورت میں

آہ، کس کس پہ خوشامد کے ہیں کیا کیا اثرات
کاش کرنا ہی پڑی مجھ کو یہاں راز کی بات

ہو اگر مردہ ضمیروں پہ خوشامد کی زد
شرفِ حج و زیارت کی بھی ہو داد و ستند

زایر اس کو یہ کہے وہ کہے "الحاج" اسے
پاس ہے فرطِ خوشامد میں حقیقت کا کسے

کہیں چھپتا ہے وہ انساں جو خوشامد زدہ ہے
خود نما اس کے تفاخر کا ہر اک شعبدہ ہے

حاکموں کا بھی یہ دستور خوشامد طلبی
وہ بہانہ ہے خجل جس سے ہی خود بے سببی

یاد مجھ کو نہیں اے دوست خوشامد کرنا
ایسے موقع پہ میں چاہوں گا خوشی سے مرنا

میں جو لیتا نہیں اوروں کی خوشامد کا اثر
علم کا ہے یہ طفیل اور اب وجد کا اثر

نہیں آئینِ خوشامد سے مرا دل آگاہ
ہیں تصنّع سے بری میرے اصولِ دلخواہ

دور مجھ سے درِ اعیانِ خوشامد زدہ ہے
میرے رہنے کے لئے خاص وہ عرفاں کدہ ہے

جس میں انسان خوشامد طلب آتا ہی نہیں
میں خوشامد کی ضرورت کبھی پاتا ہی نہیں

ملک میں لایق تبلیغ عمل میرا ہے
درِ عرفاں کدہ پر میں نے یہ لکھوایا ہے

کوئی انسان کسی انساں کی خوشامد نہ کرے
آدمیت سے رہے خواہ جیے خواہ مرے

"سب رس" مئی ۱۹۴۰ء

اتحادِ خیال و عمل

بدل دوں گا زمانے کی ہوا اب - اب نہیں تو کب
کہوں گا رازِ نشرِ صوت کا اب ، اب نہیں تو کب

میں بے خود تھا ، گیا وہ دور ہوں فی الحال خود آرا
اثر میری خود آرائی سے اب لے گا جہاں سارا
نہ آئے گا نظر غیر خود آرائی کوئی چارا
خودی پڑھنے نہ دے گی قصۂ اسکندر و دارا
خیالات اپنے میں پھیلاؤں گا اب ، اب نہیں تو کب

فضا ایسی کرامت آشنا ہے نشر گاہوں کی
کہ خاک اڑتی نظر آنے لگی ہے خانقاہوں کی

میں دنیائے خودی میں رہ کے بے خود رہ نہیں سکتا
مذاقِ خود پرستی عام رو میں بہہ نہیں سکتا
کوئی خود دار و خودبیں اب تو ذلت سہہ نہیں سکتا
خودی کے دور میں اس کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا
مزے لیں گے خودی کے خود نما اب - اب نہیں تو کب

مری لغزش نہیں واقف کسی کی دستگیری سے
خودی میری ہے ناخوش بےخودوں کی ہم صفیری سے
کسی گلشن میں کیوں لے جائے مجھ کو شوقِ گل چینی
دل افزا ہے مری طبع چمن آرا کی رنگینی
میں ہوں خود دار و خود بیں میری خود داری و خود بینی
اصولی ہے بناؤں گا اسے میں اور آئینی
سخن رس ہوں گے میرے ہم نوا اب - اب نہیں تو کب
میں ہوں اب مطمئن، لیل و نہار اب سازگار آئے
مری آواز پر احباب سب بے اختیار آئے
بدل دیں گے فضا کو سخت گیر و سخت کوش انساں
نہ آئے گا نظر دنیا میں کوئی خود فروش انساں
ملیں گے ہر طرف خود بیں خدا بیں حق نیوش انساں
جگہ بے ہوش انسانوں کی لیں گے اہل ہوش انساں
پڑے گی خود پرستی کی بنا اب - اب نہیں تو کب
حلاوت خود پرستوں کو ہی کچھ آتی ہے جینے میں
بیاں ہوں کس طرح کیفیتیں کیا کیا ہیں پینے میں

اگر جامِ خودی مامور کو دے آپ ہی آمر
پراگندہ دلی ہو مژدۂ جمعیتِ خاطر
یہ مئے کام اپنا کر کے ہی دکھائے گی ہمیں آخر
بغیر امتیاز اب سب پہ ہوگا سرِّ حق ظاہر
ملیں گے سب حقیقت آشنا اب - اب نہیں تو کب

"شاہکار" لاہور۔ مارچ ۱۹۴۰ء

حفاظتِ خودی

خودی سے ہے متعارف ہر ایک فرزانہ
خدانخواستہ ہیں اور خودی سے بیگانہ!

شعورِ حال سے ہے میرا اقبال درسِ خودی
نہ میرے ہاں گل و بلبل نہ شمع و پروانہ

مرے سرور کو اندیشۂ خمار ہو کیوں
مئے خودی کا خدا ساز جب ہو پیمانہ

غرور اور خودی اور، میں نہیں کم ظرف
مری خودی کا ہر اک جلوہ ہے شریفانہ

خود اعتماد ہوں خود بیں ہوں خود شناس بھی ہوں
الٰہی صفات سے تاباں ہے عزم مردانہ

حیات، علم، ارادہ، کلام، سمع و بصر
خودی پسند ہیں یہ کل صفات شاہانہ

"انائے ذات" نہیں ہے خودی تو پھر کیا ہے
بلند تر ہے خودی کا لطیف کاشانہ

مشاہداتِ حقیقت ہیں رازِ علمِ خودی
کہ میں جہالتِ فرعون سے ہوں بیگانہ

شعورِ نیک و بد اس سے ہی مجھ کو ہوتا ہے
مئے خودی سے نہیں میری چال مستانہ

خدا پرست ہوں، شانِ خودی سمجھتا ہوں
کہوں نہ کس لئے میں بے خودوں کو دیوانہ

قدم بڑھا کے میں پیچھے ہٹوں۔ معاذ اللہ
مری خودی کا ہر اقدام ہے دلیرانہ

نہیں ہے جان کی قیمت سی کم بہائے خودی
خیالِ بیع و شری کیوں کروں سفیہانہ

خودی فروش بنوں اب! یہ غیر ممکن ہے
میں لے چکا ہوں ازل میں کسی سے بیعانہ

مری خودی کی جلا تا کہ ہو نہ جائے ماند
نہ کی کبھی ہوسِ جلوۂ تلوکانہ

"ساقی" سالنامہ جنوری ۱۹۳۹ء

مرکزِ حسنات

کئی علوم پہ حاصل ہے آج مجھ کو عبور
کمالِ فضل مرا کب ہے آشنائے قصور

مرے علوم کی تفصیل دلکشائے کبار
مرے فنون کا اجمال رونمائے غرور

فنونِ معتبرہ میرے ذہن سے واقف
علوم مشتہرہ جانتے ہیں میرا شعور

نگارِ علم کی ہمدم مری بصیرت ہے
بہارِ علم کا دمساز میرے دل کا سرور

دل و دماغ نے صدمے بہت اٹھائے مگر
مرے مطالعہ میں آسکا نہ پھر بھی فتور

متونِ علم و ادب طالبِ حواشی ہیں — بطونِ فہم و خرد حسرت آشنائے ظہور
مگر ظہور کا موقع مجھے ملے کیونکر — مرا کمال ہوا افلاس ہی سے جیب مسرور
خجل ہیں مجھ سے وہ علامہ ہائے "دولت ساز" — نقودِ جہل سے جن کے خزانے ہیں معمور
خود اعتماد بنایا ہے خود شناسی نے — فروغ بخش تفاخر مرا کمالِ شعور
نہیں ہے کس کو گلہ میری کم نگاہی کا — وہ کون ہے جو دکھائے مجھے ادائے غرور
جو کر رہے تھے جہاں میں بڑے بڑے دعوے — دمِ مکابرہ وہ بھی نہ رہ سکے مغرور
مرے حضور میں اس کو کہاں ہے تابِ کلام — جو میں نہ ہوں تو کرے شیخ بحثِ جلوۂ طور
مذبذبین دکھاتے ہیں آج بھی مجھ کو — فتاویٔ علمائے زمانہ منصور
مرے خیال کی مشعل ہے ان کی بھی رہبر — مجادلین سلف کے اثر سے جو نہیں دور
مرا جمال قدامت، تجدّد آرا ہے — مرا جلال تجدد خیال سوز کفور
خطائے مجتہدانہ ہو رہنمائے ثواب! — اس اعتقاد سے مانوس کیوں ہو میرا شعور
خطا کسی کی بھی ہو، ہے خطا ثواب نہیں — خطا ہو جس سے بھی اس کو سزا ملے گی ضرور
خلافِ عقل نہیں میری رائے اے مسلم — یہ اور بات ہے اللہ کا ہے نام غفور
تمام اصول ہیں اسلام کے مرا ایمان — مگر جدال فروعی سے ہوں میں سخت نفور
جلالیوں سے مجھے کد نہ رازیوں سے حسد — جمالیوں کا ہوں دشمن نہ زیدیوں سے نفور
مگر کسی میں بھی شامل نہیں بحمد اللہ! — یہ پستیاں ہیں مری رفعتِ خیال سے دور

مٹا چکا ہوں ہر اک نسبتِ اضافی کو — محمدؐ ہی ہوں یہ نسبت ہی میرے دل کا سرور
جو افتراق کہ ہے اور نسبتوں میں نہاں — بجاہ ختمِ رسل ہو رہے گا خود کافور
"زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا" — کہ میرے نطق سے ہی میری ہر صفت مسرور
مئے ولائے محمدؐ جنہوں نے پی ہی نہیں — کہیں گے خاک وہ کیفیتِ شرابِ طہور
بنا مثیلِ محمدؐ جو آئے تجھ کو نظر — چراغِ طور تو روشن ہے اے مسافرِ طور
کئی رموز ہیں ارشادِ "لی مع اللہ" میں — نظر کشائے محقق حضور کا یہ حضور
نگاہِ قدس بھی معراج شہ پہ حیراں ہے — نظر وہ آئے ہیں جلوے دمِ عبور و مرور
عجب نما ہے وہ جلوہ کہ جس کی شانِ مجاز — پئے سرور حقیقی بنی ہے وجہ وفور
بشر بھی اس پہ فدا ہیں نثار قدسی بھی — کہیں گے ذو الجہتین اک اسی کو اہلِ شعور
اسی کی یاد نے مسدود کی رہِ وسواس — کیا اسی کی محبت نے انسدادِ خطور
اسی کے وصف سے انجیل نے جلا پائی — اسی کی نعت سے پُر کیف نغمہ ہائے زبور
اسی کے خلق کا آئینہ دار مصحف ہے — اسی کے حسن سے تورات کی فضا پُر نور
اسی کا دورِ حکومت ازل سے تابہ ابد — بربِّ کعبہ وہی آمر اور سب مامور
نظر اسے کوئی ہم چشم اپنا کب آیا — کسے دکھائے وہ کیفیت نگاہ غیور
اسی کے علم پہ مختص پیامِ امن و سکوں — اسی کے حلم نے توڑا ہے سرکشوں کا غرور
کہاں جھکائے صنادید خوش نثار نے سر — ہوا ہے مائلِ پستی کہاں خیالِ فخور

فقط وہی ہے مساوات کا علم بردار — اسی کی سعی مواخات خلق میں مشکور
فقط اسی کے ہیں اعمال وجہ رفع فتن — فقط اسی کے ہیں اخلاق راز دفع شرور
اسی رسولِ مکرم کا اسوۂ حسنہ — رہے گا تا بہ ابد جانفزائے اہلِ شعور

خدا نے اس کو بنایا ہے سیّدِ کونین
وہی خدا کو ہے منظور جو اسے منظور

"کامران" بابت ماہ اپریل و مئی ۱۹۳۶ء

فلسفۂ حیات

حق بات پہ مر مٹنا کس کے لئے آساں ہے — جینے کی تمنا سے وابستہ ہر انساں ہے
اے دوست! جہاز اپنا پار اس میں سے کیونکر ہو — غیروں کی سیاست کا وحشت زدہ طوفاں ہے
تو غیر سے پاتا ہے وہ قیمتِ آزادی — اک بھانڈ بھی خود جس پر انگشت بدنداں ہے
کیا ذکر ہے جوتی کا سر پر نہیں ٹوپی بھی — اس شان میں بچوں کو تو دیکھ کے شاداں ہے
یہ بے سروسامانی! یہ تیری سمجھ! گویا — موجود ترے گھر میں فرعون کا ساماں ہے
ڈھونڈو تو نہیں ملتی چاندی کی کٹوری بھی — مٹی کا بگونا ہے مٹی کا نمکداں ہے
کھانے کے لئے صحنک، پینے کے لئے لوٹا — اک دیگچی اک ہانڈی مطبخ کا یہ ساماں ہے

سونے کے لئے توشک کپڑا ہی جو توشک کا
پیراہنِ مجنوں کا نکلا ہوا داماں ہے

برسوں میں کوئی کپڑا دھلنے ہی نہیں پاتا
دستر ہو کہ چادر ہو تیرے لئے یکساں ہے

ٹوٹی ہوئی اک کرسی تڑکا ہوا اک ٹیبل
یہ ہی ترا فرنیچر، تو اس پہ بھی نازاں ہے

جس گھر کا کرایہ ہی اک روز کے نو پیسے
کر غور ارے ناداں وہ گھر ہی کہ زنداں ہے

نیند آتی نہیں شب بھر کھٹمل جو ستاتے ہیں
ڈھانسوں کی جفا سہی تو دن کو بھی پریشاں ہے

اے دوست! یہ تیرا گھر اور تیرے مقابل میں
خود تیرے ہی صاحب کا دلکش چمنستاں ہے

پردیس میں وہ خوش ہی تو دیس میں رنجیدہ
کہہ! اس کی غلامی پر کیا سوچ کے نازاں ہے

جو مل گیا کھا لیتا اور اس کو دعا دینا
اِس طرح جئے جانا تیرے لئے آساں ہے

تو سر کو جھکاتا ہے، ہاتھ اس کا نہیں اٹھتا
اے دوست! اسلام اس کو جو ثانیٔ ہاماں ہے

تو اور یہ تعزیریں وہ اور یہ تنویریں
حیوان ہے تو شاید ہی تو وہی انساں ہے

یہ بے زری پیہم توہین کا یہ عالم!
معلوم یہ ہوتا ہے تو قالبِ بے جاں ہے

ہے تیری یہ پستی ہی ذلت کا سبب ورنہ
کون اس سے الجھتا ہی جو شیر دل انساں ہے

کیا فلسفہ سمجھاؤں اب تجھ کو شہادت کا
اے دوست! کسی حد تک تو بھی تو سخنداں ہے

ملت کی خبر لیتا حق بات پہ سر دینا
ہر دور میں واجب ہی میرا تو یہ ایقاں ہے

اس طرح جو مرتے ہیں مر کر بھی وہ جیتے ہیں
تاریخ کے صفحوں سے یہ بات نمایاں ہے

ہونا ہے جو تازہ دم اک بات سن اے ہمدم
کر یاد اسے پیہم جو شاہِ شہیداں ہے

ایوانِ محمدؐ تو شبیرؑ کا ایواں ہے — اوروں کی طرح سے کیا شبیرؑ بھی مہماں ہے
شبیرؑ بھی آقا ہے شبیرؑ کی طرح میرا — نورِ دلِ زہراؑ ہے جانِ شہہ مرداں ہے
دل کیوں نہ شگفتہ ہو شبیرؑ سے امت کا — گلزارِ رسالت کا یہ تو گلِ خنداں ہے
یہ سبطِ محمدؐ خود مرسل تو نہیں، لیکن — ہم شوکتِ موسیٰؑ ہی ہم شانِ سلیماں ہے
شبیرؑ کی سیرت بھی سیرت ہے محمدؐ کی — شبیرؑ کا ہر اُسوہ ہم مقصدِ قرآں ہے
ہونا ہمہ گیر اتنا اوروں کا اثر کیونکر — اوروں کے بھی پاس اتنی کیا ارثِ نیاکاں ہے
وہ وارثِ پیغمبرؐ وہ نورِ دلِ حیدرؑ — تعریف کرو جتنی شبیرؑ کے شایاں ہے
جتنے بھی مسلماں ہیں شبیرؑ پہ قرباں ہیں — ہر ایک مسلماں پہ شبیرؑ کا احساں ہے
کیا زندگی سر در تسلیم نہیں مجھ کو — گھبراؤں میں پھر کیونکر وہ عیسیٰؑ دوراں ہے
جس پر عرفا ہوں گے ہر وقت یقیں آرا — تمجیدِ محمدؐ کا شبیرؑ وہ عنواں ہے

قطعۂ دو بیتی

مرسل جو خدا کے ہیں بہتر ہیں وہ اوروں سے — پھر اس کا شرف سوچو انبیوںؑ کا جو سلطاں ہے
از روئے حیات افضل سارے شہدا بھی ہیں — شان اس کی بیاں کیا ہو جو شاہ شہیداں ہے
فرزندِ نبیؐ سے ہیں اصحابؓ نبیؐ واقف — عرفاں ہے اسی ڈھب کا جس شان کا ایماں ہے
معروفؒ جہاں ذیں سر سلسلۂ پیراں — شبیرؑ کی عترت کا ذی مرتبہ درباں ہے

خوش جس سے ہوں پیغمبرؐ اور عترتِ پیغمبرؐ
واللہ حقیقت میں ارماں وہی ارماں ہے

جس رنگ میں آئے گا ذلت ہی اٹھائے گا
شبیرؑ کے دشمن کا ہر حال میں نقصاں ہے

میں کس کو بھلا دیتا ؟ فرزندِ پیمبرؐ کو
جو منبعِ فیضاں ہے جو معدنِ احساں ہے

ہاتھ اس کا دکھاتا ہے اعجازِ یداللّٰہی
جب بھی گہرافشاں تھا اب بھی گہرافشاں ہے

اقمار ہیں جتنے بھی نور اس سے ہی پاتے ہیں
یہ مہرِ سپہرِ دیں وہ ـــــ نیرِ تاباں ہے

کعبے میں نظر آئے یا دوشِ محمدؐ پر
شبیرؑ کا ہر جلوہ سرمایۂ عرفاں ہے

ہونے نہ دیا برہم حضرت نے نظامِ دیں
فرمانِ امامِ دیں فرمودۂ یزداں ہے

حضرت سے زیادہ کیا ہمدرد کوئی ہوگا
حضرت کا تصور ہی ہر درد کا درماں ہے

حضرت نے کبھی اپنے دل میں یہ کہا ہوگا
جابرؓ ہے نہ مالکؓ ہے بوذرؓ ہے نہ سلماںؓ ہے

حال ان کی شہادت کا کہتا ہوں کہوں گا بھی
یقیناً ہی نہیں ہیں وہ بے سود جو عنواں ہے

آساں ہی شہادت کا اب فلسفہ سمجھانا
تعلیمِ معارف خود شبیرؑ پہ نازاں ہے

الحاد پرست انساں منہ اپنا چھپاتے ہیں
آدابِ شریعت کا شبیرؑ نگہباں ہے

فوجِ اموی سے کی وہ جنگ شہِ دیں نے
ہر اہلِ نظر جس کے آثار پہ حیراں ہے

شبیرؑ کے روضے کی تعریف سنو مجھ سے
یہ گنبدِ خضرا ہے یہ روضۂ رضواں ہے

انکار نہیں کرتا روضہ مرے مولا کا
بے شک مرا مامن ہے بے شک مرا ایماں ہے

ہر دل میں نہ ہو کیونکر شوق اس کی زیارت کا
اس راہ میں ہر منزل فردوس بداماں ہے

جان اپنی فدا کردے حضرت کی طرح وہ بھی
شورش گہ ہستی میں جو امن کا خواہاں ہے
منظور تو بھرنا ہے دم اس کی اطاعت کا
فرزند محمدؐ کا ——— جو تابع فرمان ہے

....

"خلیق" جلد ۸ نمبر ۸ ۱۳۵۸ھ

امامِ اُلوالعزم

عزم پختہ سے انساں سرفراز ہوتا ہے
یعنی دستگیروں سے بے نیاز ہوتا ہے
اپنی دھن کا ہے پکّا جو بشر زمانے میں
خود زمانہ ہے ساعی اس کے آزمانے میں
جو اس آزمائش میں کامیاب اترتا ہے
پھر زمانہ دم اس کی دوستی کا بھرتا ہے

(۲)

موجبِ دل افزائی جس کو سخت مشکل ہو
کیونکہ اس کو طوفاں میں آرزوئے ساحل ہو
منتقل مزاج انساں گھر بھی چھوڑ سکتا ہے
خاص خاص اعزہ سے منہ بھی موڑ سکتا ہے
گھر کو دشتِ غربت میں یاد کر نہیں سکتا
بیکسی میں بھی بیکس بن کے مر نہیں سکتا
سیکڑوں شریروں کی جب کہ جان لیتا ہے
بات کا دھنی حق پر اپنی جان دیتا ہے

(۳)

مستقل مزاج ایسا کون ہی بتائے دل
کر رہی ہے اب آساں جس کی یاد ہر مشکل

رونق اولوالعزمی کس کے رخ سے پیدا ہی
کس کا معترف ہر اک راستی کا شیدا ہے

کس شہید کو حق بیں دیں پناہ کہتے ہیں
کس کو سب شہیدوں کا بادشاہ کہتے ہیں

دل پہ ہر مسلماں کے کس کا نام ہے کندہ
کس کے عزم کا قائل ہی خدا کا ہر بندہ

کس کے اوج سے ظاہر ہو رہی ہی شانِ حق
سرنگوں ہوئے از خود کیا مخالفانِ حق؟

(۴)

میں ہی اک نہیں کہتا تھا امیرِ شام ایسا
جانتی ہے کل دنیا یہ پلید تھا جیسا

اپنا حق سمجھتا تھا خونِ ناحق النساں کا
ایسے خود غرض کو کیا غم کسی کے نقصاں کا

تھا بہت صحابہؓ کا خون اس کی گردن پر
بجلیاں گراتا تھا اتقا کے خرمن پر

(۵)

آئے دن ترقی پر اس پلید کا تھا شر
دیکھتے حسینؑ اس کی فتنہ بازیاں کیونکر

شور و شر مٹانے کو راہِ کوفہ لی شہؑ نے
راہِ حق دکھانے کو راہِ کوفہ لی شہؑ نے

راستے کی تکلیفیں آپ نے گوارا کیں
تاکہ دیکھ لے ہر اک حق پسند راہِ دیں

(۶)

نونہال اٹھارہ اپنے اک قبیلے کے
حضرت آئے تھے جن کو اپنے ساتھ ہی لے کے

کربلا میں ان سب کی دی ہے حق پہ قربانی — ان کے خون کا شاہد ہے فرات کا پانی
سچ ہے یہ اولوالعزمی دوسروں میں ناپیدا — مستقل مزاج ایسا کوئی کب ہوا پیدا
ہے مسلم اے مسلم عز و جاہِ شاہِ دیں — شاہِ دیں کو ہم سمجھیں کیوں نہ خضرِ راہِ دیں

تھا امام کو منظور اوج اپنی ملت کا
دے کے سر نہ سمجھاتے کیوں شرف شہادت کا

ہمایوں بابت ماہ جولائی ۱۹۳۵ء

صراطِ مستقیم

اے زائرِ خدارس اے رازدانِ طیبہ — مکہ میں بھی تو دیکھی ہے تو نے شانِ طیبہ
ہے نور حسن کا تیری چشمِ حق آشنا میں — کیا تجھ کو پھر دکھادوں شان اس کی کربلا میں
اے صاحبِ بصیرت یہ بھی ہے راہِ طیبہ — یعنی ہے کربلا میں فرزندِ شاہِ طیبہ
رازِ شکست سمجھیں کیوں نور کے یہ رشتے — دونوں جگہ ہے رحمت دونوں جگہ فرشتے
تو گم اگر ہوا ہے اسرارِ مصطفےٰ میں — انوارِ مصطفےٰ کے دیکھے گا کربلا میں
سبطِ رسولؐ سے ہے شانِ رسولؐ پیدا — مسلم ہی وہ نہیں ہیں ان کا نہیں جو شیدا
نصِ صریح سے ہی فرض ان کی ہی محبت — کیا اجر چاہتی ہے اس کے سوا رسالت

منظورؔ! آج ہی چل کب تک یہاں رہیں گے　　اہلِ نظر ہیں جس پر وہ راستہ چلیں گے

بھولا ہوا سبق ہے پھر جب کہ یاد کرنا

سمجھیں نہ کیوں ضروری اس راہ سے گزرنا

"کنول" بابت ماہ مارچ ۱۹۳۷ء

سچ کی داد

پہاڑوں کی طرح اک جا رہیں گے　　کہ نہروں کی طرح بہتے پھریں گے

رہیں گے جس جگہ بھی سچ کہیں گے

بھروسا بس خدا پر ہی کریں گے　　ہم اپنے سچ کی سب سے داد لیں گے

(۲)

سدا سچ کا رہا ہے بول بالا　　ہمارے دل میں ہے سچ کا اجالا

خدا کا دوست ہے سچ کہنے والا

خدا کو خوش کریں گے سچ کہیں گے　　ہم اپنے سچ کی سب سے داد لیں گے

(۳)

نہیں اپنے بزرگوں کی جسے تیج　　اسی کو مال و زر کا ہوگا لالچ

ہے اپنی زندگی کا مدعا سچ

سدا جھوٹوں کی صحبت سے بچیں گے
ہم اپنے سچ کی سب سے داد لیں گے

(۴)

جو بولے جھوٹ وہ انسان ہی کیا
ہمارے پاس اس کی شان ہی کیا
اک اماں جان ابّا جان ہی کیا
کریں گے اس کو خوش جس سے ملیں گے
ہم اپنے سچ کی سب سے داد لیں گے

(۵)

اگر سچ کہتے ہم اپنے ہی گھر میں
نہ ہوتے سچے دنیا کی نظر میں
ملائیں گے جو چور آ کر سفر میں
تو ان کے روبرو بھی سچ کہیں گے
ہم اپنے سچ کی سب سے داد لیں گے

"پریم" لاہور بابتہ ماہ ۲۳ر جنوری ۱۹۳۶ء

دعوتِ نظر

میں ہی میں ہوں کوئی ہشیار کہے جاتا ہے
وہ ہی وہ ہیں کوئی سرشار کہے جاتا ہے
ہمہ اوست اس کی خودی کے لئے مرکز ہے سست
اس کا نادان "انا" بھی ہے متاعِ ہمہ اوست
ہوش افزا ہے مجھے غلغلہ ہشیاری
کاش سمجھے اسے تو بھی جرس بیداری
انحصارِ من و تو ٹھیک نہیں سب سمجھیں
وقت ہے خود کو سمجھنے کا یہی، اب سمجھیں

خود شناسی سے ہو امید کہ بن جائے گا کام — ورنہ اس حالِ زبوں کا ہے تباہی انجام
نہ بصارت نہ بصیرت نہ عزیمت ہم میں — کام کرنے کی نہیں نام کو ہمت ہم میں
اک خودی تھی سو کیا اس کو بھی غفلت کے سپرد — زندگی کی ہوئی یہ لہر بھی یوں دریا بُرد
اس طرف دیکھ فرنسیانِ اروپا کی نمود — آج بالفعل جو ثابت ہے وہ ان کا ہی وجود
رازِ تقدیر کھلا ان کے عمل سے ان پر — اپنے در پے ہے فقط بے عملی کا چکر
حسن کاری کا مذاق ان سے ہوا آئینہ — نئی دنیا کا یہ منظر ہے نیا آئینہ
ایسی وحدت پہ نہ ہو کس لئے کثرت شیدا — ایک منزل سے ہیں ہفتاد منازل پیدا
ان کی دنیا ہے نئی اپنی پرانی دنیا — بن گئی اپنے لئے "رام کہانی" دنیا
اور باتوں میں تو کیا خاک ملے گی جدت — جب زباں میں بھی گوارا نہیں کوئی جدت
چشم براہ نظر آتے ہیں وہ نقد نگار — جن کی فطرت کو اپج سے نہیں بالکل سروکار
نئی ترکیب اگر ان کو کہیں مل جائے — برہم اتنے ہوں کہ پامال زمیں ہل جائے

پھر یہ ہیں اور ادب سوز مداراتیں ہیں
"کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں"

"سب رس" فروری ۱۹۴۰ء

ہدایت نامہ

ہو ترقی کی تیرے دل میں امنگ
رکھ ہمیشہ خیالِ نام و ننگ
کس لئے زندگی سے ہے دل تنگ
کیوں اترتا نہیں یہ نشۂ بنگ
تیری غفلت پہ اک جہاں ہے دنگ
دیکھ دشمن بدل رہا ہے رنگ
سیکھ دشمن سے دشمنی کے ڈھنگ
کھو نہ دے وقت، وقت پر کر جنگ
بہرہ ور شیخ سے ہیں اہلِ فرنگ
تو بھی سن قولِ شیخِ نیک آہنگ

سنگ در دست و مار بر سرِ سنگ
خیرہ رائی بود قیاس و درنگ

تو نے کی ہات جوڑ کر کیوں بات
اور بھی شیر بن گئے بد ذات
کیا شریروں کو قدر نیک صفات
سچ ہے "کھُمی کو کھُمی لات کو لات"
بے سبب جھیلتا ہے کیوں صدمات
کب تجھے ہوش آئے گا ہیہات
استعاراتِ شیخ رح ذی درجات
سمجھ اور ان پہ غور کر دن رات
درسِ عبرت کے ہیں یہی اوقات
پھر نہ ہو گی تلافئ مافات

سنگ در دست و مار بر سرِ سنگ
خیرہ رائی بود قیاس و درنگ

شاعر کا اپنے فرزند مبارک بن علی سے خطاب

دل تیرا بڑھائے گی جب طاقتِ جسمانی — خود اپنی ہی جرأت پر ہو گی تجھے حیرانی
ہو گا تری ٹھوکر سے پتھر کا جگر پانی — جب تک نہ اجل آئے کر اس کی نگہبانی

ہے ورزشِ جسمانی راز اس کی حفاظت کا
ہو جائے گا ورزش سے شہرہ تری طاقت کا

موقع نہ ملے گا پھر غیروں کو شرارت کا — ہو گا وہ خجل تجھ سے جو ظلم کا ہے بانی
گو بحرِ شجاعت کا تو بیش بہا در ہے — لیکن ترا دشمن بھی "فی الحال" بہادر ہے

دشمن کو بھگانے کا بس ایک یہی گُر ہے
رہ دور گناہوں سے کر ورزشِ جسمانی

گر تجھ کو جوانی میں تقوے کا سہارا ہو — یہ ورزشِ جسمانی سونے پہ سہاگا ہو
ظاہر تری پیری میں تیرا نہ بڑھاپا ہو — رخ تیرا جوانی کی دکھلائے درخشانی

قائم یہی رکھے گی یوں ہی تری صحت کو
ہونے ہی نہ دے گی یہ افسردہ طبیعت کو

ہر وقت ابھارے گی ورزش تری ہمت کو — آئے گی نظر اس سے مشکل میں بھی آسانی
پھرتی کے دکھانے کا آ جائے گا جب موقع — خوش ہو کے کہے گا تو آیا ہے عجب موقع
بولیں گے عدو چھپ کر رونے کا ہی اب موقع
ہر حال میں جاری رکھ تو ورزشِ جسمانی

"ہمایوں" نومبر ۱۹۳۵ء

ہمارے ملک کی قومی زبان

جو صاحبانِ علم ہیں اب ترجمانِ علم — واقف ہے ان تمام سے یہ رازدانِ علم
کس ملک میں نہیں ہے گہر ریز کانِ علم — ضو پاش ہر دیار میں ہیں صاحبانِ علم
ہے قاہرہ کی شرط نہ لندن کی قید ہے
بحر العلوم راس کی مانند زید ہے

میں مانتا ہوں علم ہے اللہ کی صفت — ہے اس کی ہر صفت سے ضیا گیر ہر جہت
مختص اک اپنی قوم سے کر کے یہ مکرمت — "لطفِ عمیم" کی میں کروں کیسے منقصت
ہر قوم بہرہ یاب ہے فیضانِ علم سے
گوہر بکف نکلتے ہیں سب کانِ علم سے

انگریز کہہ رہا ہے کہ میں ہوں جہانِ علم   دعوئ عرب کو ہی کہ بڑھی مجھ سے شانِ علم
کہتا ہے پارسی کہ مجھی سے ہی آنِ علم   ہر قوم کی زبان ہے گویا زبانِ علم

بے شک متاعِ علم ہر اچھی زبان ہے
اُردو ہمارے ملک کی قومی زبان ہے

فیض اس زبانِ مشترکہ کا ہی چار سو   ممتاز اس سے گلشن دہلی کی ہی نمو
پنجاب کی بہار اِسی سے ہے سُرخرو   باغِ دکن میں اِس کا اثر جانِ رنگ و بُو

سی۔پی سے کد ہے اس کو نہ یو پی سے رنج ہے
اُردو سرورِ جان و دلِ نکتہ سنج ہے

"سب رس" جون ۱۹۴۰ء

وقت کی چیز

سب جسے انتہا کہیں تو اسے ابتدا سمجھ
ہو نہ اسی سمجھ پہ خوش یونہی بڑھائے جا سمجھ
ذوقِ سفر گھٹا نہ دے لوگ کہیں جو نا سمجھ
حاصلِ مدعا کو بھی پرتوِ مدعا سمجھ
اور بلندیوں پہ جا رازِ عروج کا سمجھ

دل میں ہے دردِ قوم اگر قوم کی جلد لے خبر
قوم سے ہیں جو بے خبر قوم کی ان کو دے خبر
سوچ کہ اپنی قوم سے کون ہے آج بے خبر
کام کا آدمی ملے یا نہ ملے کیسے خبر
کیا نہیں تو خود آدمی خود کو ہی کام کا سمجھ

تیرے حدود میں کہیں آئیں نظر نہ پستیاں
لائقِ اعتنا نہ ہوں غیروں کی چیرہ دستیاں
درخورِ التفات ہوں کیوں یہ ذلیل ہستیاں
جس کی خودی پہ چھین لیں قوم کی خود پرستیاں
ایسے خودی نواز کو قوم کا رہنما سمجھ

قوتِ زر سے جو بشر آئی بلا کو ٹال دے
اس کی کرامتوں میں جس اور بھی ذوالجلال دے
اس سے اگر ہی بدظنی دل میں تو اب نکال دے
قوم کی مفلسی کو جو معرضِ شک میں ڈال دے
ایسے بھی مالدار کو مکرمت آشنا سمجھ

تو نہ رکھ اتنی حبِ زر دل میں مگر یہ رکھ خیال
وقت کی چیز بن گئی آج نمودِ جاہ و مال
تیرے نمود پر کرے فخر ہر ایک باکمال
عزتِ قوم کا ہی جز عزتِ نفس کا سوال
اپنے بھی ارتقا کو تو قوم کا ارتقا سمجھ

ساقی مئی ۱۹۳۹ء

تقاضائے فطرت

حافظ کے فلسفہ پر ایماں نہیں ہمارا
مقصد بظاہر اس کا ہی گرچہ پیارا پیارا

ہے مادی ترقی فی الحال روح پرور
ارواح ہی کا ہم کو کافی نہیں سہارا

چھ سو برس ادھر کی دہرائے کون باتیں
ہے دشمنِ قدامت احساسِ جدت آرا

جب سے کہ ہو چکا ہی بے نور "دیدۂ دل"
کرتے ہیں "چشم سر" سے ماحول کا نظارا

پی کر شرابِ عرفاں پہلے بھی مست تھے ہم
بدمست کر دیا ہی شمپین نے دوبارا

دیتی نہیں ہے فطرت درسِ عدو نوازی
عاقل ہی وہ جو سمجھے فطرت کا ہر اشارا

دیکھیں گے اب عدو کو ہم بھی عدو سمجھ کر
چمکے گا اب ہماری قسمت کا بھی ستارا

وہ بندگی بھی رخصت بے چارگی بھی رخصت
ممکن نہیں کہ ہو اب دشمن سے بھائی چارا

چادر مشین گن کی اوڑھی نہ جا سکے گی
دامانِ عہد و پیماں کر دیں گے پارا پارا

کھویا ہی پہلے جو کچھ پائیں گے اس سے بڑھ کر
ہو گا مفیدِ ملت بے شبہہ وہ خسارا

مجبور فطرت الناس مختار فطرۃً ہے
حافظ کی رہ سے اب ہم کرتے ہیں کچھ کنارا

"با دوستاں تلطف"
اس میں ہے کیا تکلف

"با دشمناں مدارا"
یہ تو نہیں گوارا

"ہمایوں" جنوری ۱۹۳۹ء

شہرِ یارِ صحرا

جب شیر غریں دہاڑتا ہے
پردے کانوں کے پھاڑتا ہے
اوتادِ زمیں اکھاڑتا ہے
بنیادِ خرد بگاڑتا ہے
چینل کو کہیں لتاڑتا ہے
سانبھر کو کہیں پچھاڑتا ہے

کرتا ہے نہیں یہ کسے کسے زیر
یہ زور یہ شور واہ رے شیر

ہے شیر کی شوکتِ جمالی
زینت دہِ منظرِ جلالی
شان اس کی ہر اک سے ہی نرالی
آن اس کی نہیں اثر سے خالی
ہے دل میں جو خوفِ گوشمالی
لرزاں ہیں اہالی و موالی

خاموش ادب سے تندوا ہے
چیتے کا بھی سر جھکا ہوا ہے

جرأت پہ ہیں اس کی سب کے سب غش
کیونکر ہو رعیت اس کی سرکش
کیا دشت کی لُو سے ہو مشوش
غیظ اس کا فروغ بخشِ آتش
کرتا نہیں کون اس پہ عش عش
یہ جسم یہ کسوتِ منقش

قدرت سے جو داد اس نے چاہی
دی اس نے قبائے بادشاہی

ناموں پہ ہے اس کے عقل ششدر ضیغم، ضرغام، اسد، غضنفر
ڈالوں نظر اس کی کس ادا پر ہر شان ہے امتیاز پرور
طغیانیٔ آب کا یہ منظر! جاتا ہے یہ پھر بھی تیر بن کر
دلکش شانِ شناوری ہے
غواصِ یم دلاوری ہے

اوصاف سے اس کے ہو کے آگاہ کہتا نہیں کون واہ داواہ
تیور سے نمود عزت و جاہ اجلال و شکوہ اس کے ہمراہ
آواز میں رعب، رخ ادب خواہ خود دار بہت ہے، غصہ کوتاہ
خوش رخ سے "شہریارِ صحرا"
پھول اس کے لئے ہیں خارِ صحرا

شیر اپنا جواب آپ ہی ہے کیا طاقت اسے خدا نے دی ہے
اس ڈھب کا بھی جانور کوئی ہے جس نے کہ بغاوت اس سے کی ہے
مانی ہوئی اس کی خسروی ہے سلطانِ قلمرو "خودی" ہے
سنتا ہوں میں شیر کی زبانی
کیفیتِ مطلق العنانی

ناداں نہیں، ذی شعور ہے شیر بے صبر نہیں، صبور ہے شیر
بے شبہہ بہت غیور ہے شیر ذلت کی حدوں سے دور ہے شیر

خودسر خودبیں ضرور ہے شیر
نشہ میں خودی کے چور ہے شیر
اوروں میں کہاں یہ بانکپن ہے
کچھ اور ہی شیر کا چلن ہے

ہمایوں جنوری ۱۹۳۴ء

یادِ ہفت خواں

شکست خوردہ ہوں شرم شکست مانع ہے
پکارتا ہوں میں پھر بھی ستمگروں کی جے
نہیں ضمیر فراموشیوں کو یہ بھی خبر
کہ میرا خوف ملاتا ہے کس کی لے میں لے
اثر پزیر مغنّی ہوا گراموفون
نہیں ہوئی مری فریاد ضبطِ سینہ نے
محب کے راگ پہ بھی کر رہا ہوں میں اُف اُف
عدو کی بات پہ بھی کہہ رہا ہوں میں ہے ہے
میں زندہ ہوں مگر آثارِ زندگی مفقود
مری بہار و خزاں بے نیاز اردی ودے

(۲)

طرب بجائے الم ہے الم بجائے طرب
"محل شناس" نہیں میرا قصد "وضع الشئے"
خود اعتماد جو ہوتا، میں خود سمجھ جاتا
عدو کا نام ہے میری نمود کے درپے
مُجادلات کی زینت سُرورِ جلوۂ تیغ
مشاہدات کی طلعت نشاط پرتوِ مئے
نہیں یہ عیب کہ میں بزم میں "بنوں خسرو"
بشرط آں کہ رہوں رزم میں بھی غیرتِ "کے"
جو میری طرح ششش و پنج ہی کیا کرتا
تو "ہفت خواں" کبھی اسفندیار کرتا طے؟

ساقی جلد ۱۸ نمبر ۳

صبحِ امید

منظر ترا اے صبحِ امید اس قدر اچھا — پھر کیوں نہ مرے دل میں ہو تیرا اثر اچھا
سرشار بنا دے مجھے اے صبحِ امید اور — تا کر نہ سکوں تیری حقیقت میں کبھی غور
ہر رات نظر آئے مجھے خوابِ ترقی — ہر صبح کھلے میرے لئے بابِ ترقی

(۲)

نادار کو زردار بناتی ہیں امیدیں — مجبور کو مختار بناتی ہیں امیدیں
کیوں دل سے امیدوں کی جدائی ہو گوارا — آتا ہے برے وقت میں کام ان کا سہارا
جیتا نہیں کون آج امیدوں کے سہارے — ہوتے ہیں امیدوں کے سہارے ہی گزارے

(۳)

اے یاس نہ آ پاس مجھے راس نہیں تو — کیا مجھ کو ترا پاس کہ حساس نہیں تو
اے یاس ہی تو موجبِ پژمردگئ دل — جاں بخش امیدیں سببِ زندگئ دل
کرتا ہوں میں جس وقت بھی تفصیلِ مطالب — دیتی ہیں یہی مژدۂ تکمیلِ مطالب

(۴)

ہر آن وہ انسان پریشان رہے گا — جو اپنی امیدوں سے ہی انجان رہے گا
انسان نہ پڑ جائے کبھی یاس کے پالے — انسان وہ ہی دل میں امیدوں کو جو پالے
ہر صبح کہوں میں بھی کہ ہی صبحِ امید آج — خوش مجھ کو کرے گی کوئی اک تازہ نوید آج

ساقی مئی ۱۹۳۶ء

بنامِ ساقی فرخ نژاداں

مئے عرفاں اگر سب کے لئے ذوق آفریں ہوتی
زمانے میں جو شورش آج ہے، ہوتی؟ نہیں ہوتی

دیارِ قدس کو کیا واسطہ ناپاک شورش سے
نواحِ میکدہ ہے پاک ساقی کی نوازش سے

ہر اہلِ دل ہے خوش اس کی مسرت ریز بخشش سے
مری طبع سُرور آمود کیوں اندوہگیں ہوتی

جو مئے خانے کی دلچسپی میسر ہر کہیں ہوتی
یہی دنیا کی جنت رشکِ فردوسِ بریں ہوتی

یہاں ہے کیا فضائے میکدہ کی کیف سامانی
دکھاتا ہے مئے خالص کی تاثیریں یہاں پانی

یہاں جو آگئے کیفیت ان سب کی ہے وجدانی
فضا ایسی نہ کیونکر چہرہ آرائے یقیں ہوتی

نصیبِ دیدۂ دل کاش یہ صورت یونہیں ہوتی
نہیں ہوتی طبیعت سیر جلوے سے نہیں ہوتی

طرب انگیز ہے مسرور کن ساقی کی شخصیت
اسی کی چشم میگوں نے بنایا مجھ کو خوش نیت
دکھائی جام بھرنے میں ہی ساقی نے وہ کیفیت
کئی ساغر چڑھانے سے بھی جو پیدا نہیں ہوتی
محبت میرے ساقی کی جو سب کے دل نشیں ہوتی
منور اس کے رخ سے زاہدوں کی بھی جبیں ہوتی
درِ ساقی سے اٹھتی میری عرفانی نظر کیونکر
مری دانست میں ہے مرکزِ عرفاں اسی کا در
نہ ہوتی میرے ساقی کی عنایت ہی اگر مجھ پر
سوادِ دل کی رونق کس کی چشم سرمگیں ہوتی
نگہ محسوس مجھ سے بادہ کش کی بھی حزیں ہوتی
جو میری "پینش بینی" ناشناسِ آن وایں ہوتی
نشاطِ بے خودی کیف خودی میں حل ہو جب آدل
نہ خوش آیند ہو کیوں حال سے بھی میرا مستقبل
مری خوشیوں کو رقصاں دیکھ کر بے چین ہیں جاہل
خوشی کیا ایسے "ذہنی استحالہ" پر نہیں ہوتی

ساقی اگست ۱۹۳۹ء

ارمغانِ علم

کیوں اک زمانہ مجھ سے نہ پوچھے نشانِ علم
گزرے مری نظر سے کئی کاروانِ علم

مسئول شیخ و شباب ہوں میں مجھ سے تو بھی پوچھ
کس کس کا سر ہے وقفِ سرِ آستانِ علم

اے پیرِ حقہ باز اگر علم ہے تو کہہ
پہلے سے متحد نہیں کیا دودمانِ علم

کیا علم اس کا شیخ پراگندہ حال کو
کب نذرِ انشعاب ہوا خاندانِ علم

جس کو ہی سیرِ انفس و آفاق کی نصیب
کرتا ہوں اس کے ساتھ میں سیرِ جہانِ علم

جو لوگ ذوقِ علم سے ہوتے ہیں بہرہ ور
دیتا ہوں میں انہیں خبرِ این و آنِ علم

جب تک نہ اہلِ علم مخاطب ادھر ہوئے
میں نے شروع کی ہی نہیں داستانِ علم

سب کو ہی علم، علم ہے اللہ کی صفت
پھر کیوں ہے عارضی شرفِ جاودانِ علم

ہے فرقِ اہلِ علم پہ قدوسیت کا تاج
دوشِ ادب شعار پہ ہے طیلسانِ علم

دیدارِ اہلِ علم سے کیونکر میں خوش نہ ہوں
جاں بخش آنِ علم ہے دلچسپ شانِ علم

ملتی کہاں ہیں دانش و بینش کی سرحدیں
دوڑے گی عقل تا بہ کجا ہمعنانِ علم

حیرت پذیر ہیں علما کس کے علم سے
آداب کس کی بزم کے ہیں پاسبانِ علم

میں کون میرا علم ہی کیا میرے علم سے
ثابت ہو علم پروری حکمرانِ علم

شانِ علیؑ کا ہے صفتِ علم سے ظہور
حیرت ہے گر بلند نہ ہو آستانِ علم

مطلع اک اور عرض کروں گا حضور میں
ہے یہ قصیدہ درخورِ مہر و نشانِ علم

ہیں تجھ سے بہرہ یاب جو اے رازِ جانِ علم
آموزگارِ کل ہیں وہی طالبانِ علم

اس کا ہی تو حبیب حبیبِ خدا جو ہے
بھیجا ہے خود خدا نے تجھے ارمغانِ علم

یا مرتضیٰؑ "لیعلمک اسماء کلہا"
تا آشکار تجھ پہ ہو رازِ نہانِ علم

سمجھایا یہ میں نے مطلب "اقضاہم علی"
ہے تو ہی علم پرور و روحِ روانِ علم

لاریب تیرا مرتبہ حقدار جنس فضل
بے شبہہ تیرا دبدبہ شایانِ شانِ علم

تو کانِ فیض، تجھ سی نمایاں ہی شانِ فیض
تو جانِ علم، تجھ سے ہویدا ہی شانِ علم

سلمانؓ نے دکھائی تری شان یا علیؑ
تو رازِ جانِ علم ہی وہ رازدانِ علم

بعد اویسؓ ہیں حسن بصریؒ و کمیلؒ
منجملۂ جمال نمایانِ شانِ علم

علمِ علیؑ کے نور سے یہ بھی ہیں مستنیر
ہیں شافعیؒ بھی شاملِ دلدادگانِ علم

مستثنیات کا ہی یہاں ذکر ہی فضول
ہے کس کے زیرِ سایہ ہر اک خاندانِ علم

مہرِ جہانِ علم علیؑ ہیں علیؑ سے ہیں
تابندہ انجم و قمر آسمانِ علم

جب ہو نگاہِ لطف ولایتؑ مآب ادھر
کیوں جنت نگہ نہ بنے گلستانِ علم

میں ہوں علیؑ کے علم امامت سی شاد کام
کیوں جاؤں سوئے مشرب حسرت کشانِ علم

ہر رات میں تلاوتِ قرآں کے لوں مزے
روئے علیؑ کی یاد ہو شمعِ مکانِ علم

در شہرِ علم کا ہیں علیؑ شہر ہیں نبیؐ
منت کشِ نبیؐ و علیؑ کاردانِ علم

علمِ علیؑ کی مدح میں ہوں جب سے تر زباں
روح القدس ہیں ساتھ مرے مدح خوانِ علم

منضم علیؑ کی ذات سے اسم علیؑ کا راز
مختص علیؑ کی شان سے طرزِ بیانِ علم

ظاہر ہے ان کی شان قضا سے کہ ہیں وہی
فرماں روائے فہم و خرد حکمرانِ علم

یہ منقبت علیؑ کی سناؤں گا میں اسے
جس اہلِ علم کو ہو سرِ امتحانِ علم

منظور دیکھ غور سے شانِ یداللّٰہی
دستِ علیؑ میں ہے علمِ زر فشانِ علم

خلیق رمضان المبارک ۵۵ھ

حسنِ توازن

معرفت کا نور اس کے دل میں ہے
ظلمتِ جہل اس کے آب و گل میں ہے

پاؤں اس کا دلکشا منزل میں ہے
کج روی سے اپنی وہ مشکل میں ہے

فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

علم سے یہ ہو گیا عالی وقار
جہل سے اپنے ہوا وہ خوار و زار

کرتے ہیں تعظیم اس کی تاجدار
وحشیوں میں اس کا ہوتا ہے شمار

فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

وقت پر یہ ناصرِ اسلام ہے
اس سے خود اسلام بھی بدنام ہے

اس کا خامہ تیغِ خوں آشام ہے　　تیغ اس کی ہر جگہ ناکام ہے
فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

موجبِ تسکیں ہے اس کا ہر سخن　　اس کی باتوں پر ہے دنیا خندہ زن
اس کی ہر اک بات جانِ علم و فن　　اس کی باتوں سے عیاں دیوانہ پن
فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

حق و باطل میں یہ کرتا ہے تمیز　　بدعتِ دیرینہ ہے اس کو عزیز
ہے اسے ہر وقت خوفِ رستخیز　　حشر اس کے پاس معمولی ہے چیز
فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

اس کا سینہ مخزنِ اسرارِ دیں　　حلت و حرمت سے وہ واقف نہیں
اس کو ڈر، لغزش نہ ہو جائے کہیں　　اس کو یکساں ہیں شراب و انگبیں
فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

تو بھی کر منظور تحصیلِ علوم　　چار سو مچ جائے گی تیری بھی دھوم
مل سدا عالم سے اس کے پاؤں چوم　　دور رہ جاہل سے چھوڑ اس کے رسوم
فرق بے حد عالم و جاہل میں ہے

اہلحدیث امرتسر

صبحِ چمن

یہ وقتِ صبح یہ سماں　　یہ دیدہ زیب گلستاں
یہ دلفریب کیاریاں
طیور کے یہ چہچہے　　یہ دل لگی یہ قہقہے
یہ مالنیں یہ باغباں
بہار جنتِ نظر　　طرب فزا ہے کس قدر
درخت ہیں اِدھر اُدھر
عجب فضائے نور ہے　　سرور ہی سرور ہے
نہیں ہے کون شادماں
زمیں سے تابہ آسماں　　جمالِ دوست ضوفشاں
ملے جو چشمِ عارفاں
چلے مری زبانِ دل　　بنوں میں ترجمانِ دل
سناؤں رازِ قدسیاں

فضا بہار خیز ہے ہوا سرور بیز ہے
چمن مجھے عزیز ہے
نثار دل بہار پر نگاہ مرغزار پر
یہ کیفِ دل یہ بوستاں
نظارہ باز ہیں کہاں دکھا رہا ہے آسماں
نظر فروز سرخیاں
ظہورِ نور سے خجل رہیں گے صرف کور دل
کروں گا میں تو منتیاں
خیالِ بادہ ریز ہے یہ بادہ کیف خیز ہے
چمن بھی خاص چیز ہے
گرہ کشائے شوقِ دل اثر فزائے ذوقِ دل
یہ وقتِ صبح یہ سماں

کنول اکتوبر ۱۹۳۶ء

٭

کمی کا احساس

گلگشت کے لئے جو گیا کل میں باغ میں
پائی مئے دو آتشہ گلگوں ایاغ میں

ہر سو رواں تھی بہارِ نشاط پاش
اہلِ نظر کی شاید اسے خود بھی تھی تلاش

دروازے باغ کے جو ہر انساں پہ باز تھے
مشغول سیر اور بھی نظارہ باز تھے

تسبیح پڑھ رہے تھے شجر جھوم جھوم کر
مصروفِ نشرِ صوت صبا تھی اِدھر اُدھر

جس پر کھلے حقیقتِ رنگِ مجازِ گل
کیوں اس کا دل ہو بے خبر اہتزازِ گل

دیکھا مری طرح سے ہر اک شاد کام نے
ساغر مئے نشاط کا آنکھوں کے سامنے

غنچوں پہ ہنس رہے تھے دکھا کر بہار پھول
اک اک روش پہ آئے نظر بے شمار پھول

اتنے میں کچھ "صبا زدہ" غنچے بھی کھل گئے
یہ خندہ رو بھی خندہ جبینوں میں مل گئے

تعداد بڑھ رہی تھی یونہی ان کی دمبدم
گلچیں نے آ کے کر دیا اک پھول ان میں کم

حسرت جو میرے رخ پہ اسی وقت چھا گئی
بے ساختہ ہنسی چمن آرا کو آ گئی

کہنے لگا کہ غم نہ کرو اس کا وقتِ سیر
لاکھوں ہیں پھول اور بھی ان کی مناؤ خیر

احساسِ غم سے دور دل "فتحمند" ہے

جیمس کمپنی

شایانِ شان صبح جو ہے روئے مہر اب — پردے میں منہ چھپاتے چلے نوریانِ شب
پھیلا رہی ہے اپنا اثر طلعتِ سحر — اب کارگاہِ دہر کے چمکیں گے بام و در
ظلمت ربا ہے جلوۂ صبحِ بہار اب — آنکھوں سے دور نیند کا ہوگا خمار اب
اوپر نظر خوشی سے اٹھے کیوں نہ بارہا — ضو ریز ہیں لوائح زریں ہزارہا
دلچسپ بن گئی ہیں ہجومِ شعاع میں — سونے کی تختیوں پہ روپہلی یہ جدولیں
ہر سو ہے داستانِ تجلی ضیا اثر — بکھرے ہوئے فضا میں ہیں اوراقِ سیم و زر
سرخی جھلک رہی ہے جو نیلے سپہر سے — حصہ ملا ہے اس کو بھی تنویرِ مہر سے
مسجد کے ساتھ جاگ اٹھا ہے صنم کدہ — سوتے پڑے ہیں صرف امیرانِ مے زدہ
فکرِ معاش ان کو نہ فکرِ معاد ہے — عشرت پسند ہیں تو فقط عیش یاد ہے
خیر ان کو ان کے حال میں بدمست چھوڑئیے — کیا کاروبار صبح کا ہے رنگ دیکھئے
تجار آ رہے ہیں ادھر دیکھئے ادھر — ہیں ان کے رخ سے زندہ دلی کتنی جلوہ گر
ان تاجروں کے ساتھ کچھ اہلِ ہنر بھی ہیں — آئینہ ساز و مہرکن و شال گر بھی ہیں
بیٹھک الگ ہے ان کی الگ ان کا ہے مقام — وہ دیکھو سب سنبھال چکے اپنا اپنا کام

ہر سُو ہے محوِ دید مری چشمِ دور بیں
ایک ایک کر کے ساری دکانیں بھی کھل گئیں

بنئے کی وہ دکاں ہے یہ بقال کی دکاں
منظر ہے اس کا اور جدا اس کا ہے سماں

ان سب سے دور دیکھو ادھر جیمیس کمپنی
کہتی ہے اس کی شان کہ ہوں میں ہی دیدنی

پردیسیوں کی شان نہیں دیسیوں میں آہ
اس نظم کا یہی ہے خلاصہ خدا گواہ

سالنامۂ ساقی ۱۹۴۰ء

بیدردامیر

ممکن ہی یہ نہیں ہے کہ اب کوئی نیک رائے
تاریکیٔ خیال نئی روشنی میں پائے

عصری ضرورتوں سے نہیں کون باخبر
دیوانہ اب کسی کو کوئی کس طرح بنائے

اے پیکِ مدعائے حسیں اپنی رو دکھا
میں دیکھتا ہوں اہلِ نظر کو ہر ایک جائے

باتیں ہوا سے کرتی ہے موٹر امیر کی
زد میں جو اس کی آتا ہے ہر اک فقیر آئے

بھانڈوں کے ناچ رنگ پہ واں واہ واہ ہے
بچوں کی بھوک پیاس پہ یاں لب پہ ہائے ہائے

کیسی دوا کفن بھی میسر نہ ہو اسے
آئیں طبیب سو جو اسے ایک چھینک آئے

یاں زندگی سے تنگ یہ نادار آدمی
واں خواجہ سگ پرست ہزاروں روپے اڑائے

گٹھڑی کی طرح ٹھنڈ میں سکڑے یہ بدنصیب
سردی کی روک تھام پہ وہ گرمیاں دکھائے

فاقوں کی آگ پھونکتی ہو یاں کسی کا دل
نوٹیں جلا کے واں کوئی بنوا رہا ہے چائے

کرکے موازنہ میں فقیر و امیر کا
اب چاہتا ہوں یہ کہ سنوں قوم کی بھی رائے

ساقی اگست ۱۹۳۷ء

علی منظور اپنے دیہاتی دوست کو قصر ...... دکھا رہے ہیں

یہ ہے اے دوست! نواب آسماں توقیر کا ایواں
اگر آئینۂ حیرت ہوا اس کا خوش نما ساماں
نہ بڑھنے پائے پھر بھی تیری چشمِ دل کی حیرانی
پڑھائے گی سبق عبرت کا دولت کی فراوانی
فریم اس دلربا تصویر کا دیکھا نہیں تو نے
ابھی پرکھے نہیں اطراف کے نقش و نگیں تو نے
سلیقے سے ہے یوں آراستہ یہ قصرِ عالی شان
اسے "جنت بداماں" مان لے دیکھے اگر رضواں

ہرے مخمل کا فرش اتنا بڑا ہال !! آج ہی دیکھا
زمرد جیسی پیاری شئے کو پامال آج ہی دیکھا

اگر ایک ایک کرسی کم سے کم سو سو روپے کی ہے
تو ان کی واجبی قیمت ہزاروں تک پہنچتی ہے

جب اتنی کرسیوں کی قیمتیں پہونچیں ہزاروں تک
تو لاکھوں ہی روپے کا ہے یہ فرنیچر، نہیں کچھ شک

کبھی صوفے خریدے جاتے ہیں اب تک کبھی قالیں
رقم ہوتی نہیں کس روز نذرِ خواہشِ تزئیں

جو طبعاً ہیں یہ مسرف، ہوتے ہیں کچھ ان کے چرچے بھی
نقابت ان کی کرتے ہیں کئی زر دوست پرچے بھی

کمی کرتے نہیں ہرگز یہ اپنے بھی سنورنے میں
کہ حاصل ہے یدِ طولیٰ رقم کے صرف کرنے میں

دکھاتی ہے وہی رَو ہر گھڑی دریا دلی ان کی
نشہ میں رات کی تمیز ان کو ہے نہ کچھ دن کی

مہک اٹھے شبستاں جب کہ عید الفطر آ جائے
گلابی، صندلی، مشکی، حنائی عطر آ جائے

اسی اسرافِ بے جا کے لئے محفوظ دولت ہے
نہ رہنے پائے ارماں کوئی بھی دل میں یہ حسرت ہے
یہ ساماں دیکھ کر اے دوست میرے ہوش بھی گم ہیں
مگر خود کو سنبھالوں گا کہ تیرا رہنما ہوں میں

ادھر دو ہیں ادھر دو روبرو ہیں چار اسٹیچو
نہ ہو اتنا ابھی اٹلی کے فن کاروں پہ حیراں تو
فرانس، انگلینڈ، یوناں، جرمنی ہر ملک کے تاجر
ہیں ان سے مستفید اتنے کہ جس درجے کے ہیں ماہر
مفید ان سب کے حق میں ان کے موروثی خزانے ہیں
پئے اہلِ وطن نو دس روپے اور چند آنے ہیں
جب آہنگ پاشئ سالانہ کا ہنگام آتا ہے
زباں پر ان کی ابنائے وطن کا نام آتا ہے
نظر آتی نہیں کیا ان کو مزدوروں کی بدحالی
نہ سمجھیں اب اسے تو اب اپنے حق میں خوش فالی
غضب ہے ملکیوں کا حال اس درجے زبوں دیکھیں
وطن میں خاک اڑتی آسماں تو قیر یوں دیکھیں

ساقی جون ۱۹۴۰ء

جاسوس دوست

آ ادھر اے دوست! آ تو مجھ سے چھپ سکتا نہیں
سعی "خود پوشی" ہی کیوں؟ جب میں تجھے تکتا نہیں

گرچہ پہلے، صوفیانہ سوانگ نے دھوکا دیا
لیکن "آنکھوں کی چمک" نے تجھ کو پہچنوا دیا

تیری آنکھوں سے عیاں اب تک "وہ برقی لہر" ہے
قہر ہے تیری نگاہِ تیز ہاں ہاں قہر ہے

الاماں یہ تیری "آشفتہ نگاہی" الاماں
عمرو عیار کی بھی ہیچ ہیں چالاکیاں

کیوں میں حیراں ہوں جو ہر سو آج تیری دھوم ہے
تیری فطرت ابتدا سے ہی تجھے معلوم ہے

تجھ سے مل کر آج مجھ کو مدرسہ یاد آگیا
پھر وہ طفلی کا مرقع دل مرا تڑپا گیا

مطمئن رہتی نہ تھی تیری "نگاہِ جستجو"
طور تیرے "عارفانہ" نرم تیری گفتگو

مدرسے میں اپنے ہم عمروں سے وہ سرگوشیاں
بر محل سرگوشیوں کے بعد وہ خاموشیاں

ہم جماعت دوست کہتے تھے تجھے اپنا عدو
تجھ کو ان کے خانگی جھگڑوں کی بھی تھی جستجو

یاد ہے مجھ سے بھی کچھ پوچھا تھا اک دن اے شریر
اور۔ پھر کہنے لگا تھا تو مجھے روشن ضمیر

ہر کسی استاد کا تو منہ چڑھا شاگرد تھا
نام تیرا واقعی سب کی زباں کا ورد تھا

تیری "فطرت قابلیت" تیرے کام آ ہی گئی
"غیر ملکی حاکموں" تک تجھ کو پہونچا ہی گئی

ہیں سیاہ اخبار سارے تیرے نام اور کام سے
شاید اب تو آرہا ہے خاص ملکِ شام سے

کر رہا ہے سیرِ دنیا بن کے اب جاسوس تو
آہ! ابنائے وطن سے خاک ہو مانوس تو

ساقی جنوری ۱۹۳۸ء

سچّے قومی رہنما

دم قوم کا اپنی بھرتے ہیں — جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں
قائد بھی کسی سے ڈرتے ہیں؟ — یہ قوم کی دھن میں مرتے ہیں

(۲)

ہیں گھیرے ہوئے افلاس انہیں — پیسے کی نہیں ہے آس انہیں
اس پر بھی نہیں کچھ یاس انہیں — ہے اپنی زباں کا پاس انہیں

(۳)

مکار نہیں غدار نہیں — عیار نہیں طرار نہیں
زردار سے یہ بیزار نہیں — نادار سے ان کو عار نہیں

(۴)

ملت کی رکھیں گے لاج یہی — تحسین کا لیں گے باج یہی
ہیں صاحبِ تخت و تاج یہی — کرتے ہیں دلوں پر راج یہی

پریم لاہور مارچ ۱۹۳۶ء

فردِ مستثنیٰ[1]

نظروں سے نہاں ہے سرسیّد
ہیں پیشِ نظر اکثر سیّد

زردار نہ تھا سرسیّد بھی — رکھتے نہیں مال و زر سیّد
تھا شر سے جدا سرسیّد بھی — کرتے نہیں شور و شر سیّد
تحقیق ہوئی سرسیّد سے — سردار ہے کیونکر سیّد
تصدیق ہوئی سرسیّد سے — کس طرح بنے رہبر سیّد
تھا کانِ سخا سرسیّد بھی — ہوتے ہیں کرم گستر سیّد
تھا جانِ وفا سرسیّد بھی — ہوتے ہیں وفا پرور سیّد

اس پر بھی جہاں میں ہر سیّد
کہلا نہیں سکتا "سرسیّد"

ہمایوں مئی ۱۹۳۳ء

اُردو کا ایک دکنی خدمت گزار

کرتے ہیں اب دکن میں جو اردو کا اہتمام
کل ان کا ذکر ایک جگہ کر رہا تھا میں
آیا مری زبان پہ جب زورؔ کا بھی نام
فوراً کہا حمیدؔ[1] نے وہ ایک ہی تو ہیں
جس کو ہے ناپسند مرے دوست کی یہ رائے
وہ زورؔ کے مقابلے میں دوسرے کو لائے
ناقد نہیں یہ صرف ادبِ عصرِ حال کے
عہدِ قدیم کے بھی اکابر ہیں ان کو یاد

---

[1] میرے عزیز دوست جناب خواجہ حمید الدین صاحب شاہدؔ خوش ہوں کہ یہی رائے اکثر مبصروں کی ہے "مشتے نمونہ از خروارے":-
"گزشتہ دس سال کے اندر ادارۂ ادبیات اُردو کی یہ ساٹھویں تالیف ہے۔

(سلسلہ دوسرے صفحے پر)

فی الحال خوش مذاق کہاں اس خیال کے
نثار ان کو یاد ہیں شاعر ہیں ان کو یاد
یہ باکمال ادیب ہیں طبعاً کمال دوست
پھر کیوں نہ ان سے شاد رہیں ہم خیال دوست
لہو و لعب میں محو نہیں نوجوان زورؔ
خدمت ادب کی زورؔ کا محبوب مشغلہ
ہر صنف میں دکھائیں جو یوں اپنی شان زورؔ
لہو و لعب پسند کرے کیا مقابلہ

جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ ادارہ اس وقت تک کتنی ادبی خدمت انجام دے چکا ہے ۔ اس مرتبہ حیدرآباد پہونچ کر میں نے خود اس ادارہ کو دیکھا اور اس کے اہتمام و انصرام کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ اس ادارے کے روح و رواں ہیں اور حیدرآباد کی جدید نسل میں جو ولولہ زبان کی خدمت کا پایا جاتا ہے اس میں بڑا حصہ ڈاکٹر زورؔ کی سعی و کوشش کا ہے "

نگار ۔ اگسٹ ۱۹۴۰ء

کیا زور کی زمانے میں بے وجہ دھاک ہے
کس کو نصیب یہ ادبی انہماک ہے
ہیں زور وقف خدمتِ اردو کے واسطے
خود بھی ادیب ہیں ادبا کے معین بھی
جو کچھ کیا، اشاعتِ اُردو کے واسطے
علم الیقین بھی ہے یہ عین الیقین بھی
منظور ان کی سمت بڑھو شوق سے بڑھو
تاریخ ادارۂ ادبیات کی پڑھو

بہار میں ایک تشویش

میں لطفِ سیر کیوں نہ لوں طرب فزا امنگ ہے
میں دادِ عیش کیوں نہ دوں الم ربا ترنگ ہے

بہار کا ہے عام اثر لٹا رہے ہیں پھول زر
خزاں کا دل ہی منتشر کہ ہاتھ اس کا تنگ ہے

نہیں وہ اگلے جو راب بدل گئے وہ طور اب
بہار کا ہی دور اب غضب کا یہ بھی رنگ ہے

گلاب یہ وہ یاسمن یہ نارون وہ نسترن
چمن انہیں سے ہی چمن وگر نہ کشتِ بنگ ہے

یہ پھول جاذبِ نگہ ہے ان پہ چشمِ مہر و مہ
کسی کا رنگ ہی لفنہ کسی کا شوخ و شنگ ہے

رخ ان کا ہی شگفتہ تر لطیف ان سی ہر نظر
صباحت انکی دیکھکر ہر اہلِ ذوق دنگ ہے

ہر اک نقشِ گل اب عیاں نظر فروز ہے سماں
دہک رہا ہے گلستاں بہار کا یہ رنگ ہے

نگاہ اس پہ جب پڑی خوشی کی دل میں لہر اٹھی
صدائے آبشار بھی مجھے صدائے چنگ ہے

خوشا عنادلِ چمن یہ سب کے سب ہیں سحر فن
ہر اہلِ دل ہی خندہ زن کہ دور دل کا زنگ ہے

جو گوش زد ہوں چہچہے ملول کون اب رہے
لگاؤ تم بھی قہقہے کہ دل لگانا یہ ڈھنگ ہے

نہ پا کے لطفِ مے کشی بڑھے گی اور تشنگی
خجل بہار سے ابھی مری دلی امنگ ہے

بتاؤ اب میں کیا کروں یہ رت یونہی گزار دوں؟
پیوں تو کس طرح جیوں مضر مئے فرنگ ہے

مقصدِ حیات

فدائے قوم کی حدتک بھلا قضا کیا ہے
شہید بھی نہیں زندہ !! یہ ماجرا کیا ہے
بقا مآل ہے ملت کی اعتباری دھن
فنا پذیر ہیں تیرے یہ کاروباری گن

میں رازدانِ حدوث و قدم ہوں مجھ سے سن
کہ مرگ و زلیست کا "رسمی معاملہ" کیا ہے
مٹا ہوں قوم پہ، مجھ کو غمِ فنا کیا ہے
میں کیا کہوں مری ہستی کا مدعا کیا ہے
مرے دماغ سے دھن قوم کی جدا نہ رہی
نشاطِ ذہنِ رسا کا ہے اب بھی راز وہی

نصیب زندگی جاوداں نہیں، نہ سہی
خیالِ زندگی جاوداں برا کیا ہے
فدا جو قوم پہ ہیں ان کا پوچھنا کیا ہے
یہ خاک راہ ہیں ان کی؟ کہ توتیا؟ کیا ہے
تمام عمر جو کرتے رہے ہیں قومی کام
کئی بزرگ ہیں کس کس کا میں گناؤں نام

مٹا جو قوم پہ اس کو ملا ثباتِ دوام
نہ پوچھ قوم پہ مٹنے سے فائدہ کیا ہے
بقائے قوم کے ڈھب سوچ، پوچھنا کیا ہے
تری سمجھ میں خود آجائے گا بقا کیا ہے
ہر ایک خادمِ ملت ہے زندۂ جاوید
اسی خیال کی منظور نے بھی کی تائید

مری حیات کے مقصد کی پڑھ چکا تمہید
بیان کر ترے جینے کا مدعا کیا ہے

قوم کی حقیقی شان

(بزبانِ قائدِ قوم)

بھائی! میں قوم سے انجان؟ یہ جھوٹ!
تمہیں کردے نہ پریشان یہ جھوٹ

قوم کا تابع فرماں ہی رہا
جوش میں اس نے بہایا میں بہا

آہ مغرور مجھے تم نے کہا؟
اُف یہ طوفان! یہ بہتان!! یہ جھوٹ!!

جب تک "اپنوں" کا ہوا خواہ نہ تھا
شرفِ قوم سے آگاہ نہ تھا

تنگ تھا اپنی ہی کج فہمی سے
سیم و زر کے ہیں عبث یہ کیسے

قوم کی قوتِ مجموعی سے
نہ خطا ہوں مرے اوسان؟ یہ جھوٹ

قوم کے دوش پہ صدیوں کا وقار
ابھی کم سن مری ہستی کا ابھار

ملک میں ہے مرا چرچا، یہ صحیح
میں بھی ہوں قوم کا شیدا یہ صحیح

قوم نے مجھ کو نوازا یہ صحیح
قوم پر ہے مرا احسان؟ یہ جھوٹ
قوم کا قائد اعظم ہو کر
ہوں فدا قوم کے ہر "ذرہ" پر
ذرہ میرے لئے خورشید نواز
ہے یہی میری بزرگی کا راز
ہاں، بڑھا قوم سے میرا اعزاز
قوم کی مجھ سے بڑھی شان؟ یہ جھوٹ

رسالہ زبدۃ الملک ۱۴ر شوال ۱۳۵۶ھ

افسانوی حقیقت

دورِ جمشیدی بہ ہر صورت مثالی دور تھا
عیش و عشرت میں بھی ایراں محوِ فکر و غور تھا
تھی جو ایراں کی ذہانت ہم کنارِ اقبال سے
کہہ رہا تھا فرد فرد اس کا زبانِ حال سے
ہر گھڑی کیسا تفکر؟ محفل آرائی بھی ہو
کاہشِ جاہی فقط کیوں آج؟ دل افزائی بھی ہو
رزم میں جوہر دکھاتے تھے وہ سرکش عزم کے
روح پرور ولولے تھے جن کی دلکش بزم کے
چھاؤں میں تاروں کی رہتے تھے رہینِ ناؤ نوش
مہر کو دیکھا تو دکھلانے لگے جوش و خروش
بڑھ رہا تھا آئے دن ایراں کا "توسیعی حشم"
کر رہا تھا دوسرے ملکوں کو اپنی حد میں ضم
اس کے فرزندوں سے تھی اس کی ثقافت آشکار
تھے قمر آثار شب کو دن کو خورشید اشتہار
تھے سفیر اس کے جہاں میں چار سو پھیلے ہوئے
آشکارا راز ان ہی سے سفارت کے ہوئے

حق سفارت کا ادا کرتے تھے ایرانی امیر
جلوہ گر تھا ہند میں بھی ایک روشن دل سفیر

نام اس جانباز ایرانی کا تھا فیروز بخت
شاہ بھی اس کو سمجھتا تھا معین تاج و تخت

رہتے رہتے ہند میں اس کو جو مدت ہو گئی
ایک ہندی شاہزادے سے محبت ہو گئی

جب مئے اخلاص کا اس پر نشہ چھانے لگا
شاہزادے کو وہ اپنی راہ پر لانے لگا

کر دیا فیروز نے قائم جو تعلیمی نظام
"جنگ مصنوعی" سے خوش ہونے لگا یہ شادکام

جوش میں تلوار پر تلوار چمکانے لگا
بنکے بجلی زد سے بجلی کی نکل جانے لگا

کچھ دنوں میں بن گیا یہ مردِ میدانِ نبرد
شہ سواری نیزہ بازی تیر اندازی میں فرد

لیکن اس کے تھے معلم جتنے ہندی فلسفی
راز ہی میں کر رہے تھے مائلِ سرِّ خفی

مورتی پوجن کا سمجھا بھید سن سن کر بھجن
رفتہ رفتہ بھول بیٹھا خود پرستی کا چلن

دیکھ کر حال اس کا بول اٹھا سفیرِ نامور
اس کے بس میں آ نہیں سکتا جہانِ خیر و شر

فلسفہ ایران کی عظمت کا سمجھاؤں کسے
"گیان دھیان" اس کا ابھرنے ہی نہیں دیتا اسے

ابلقِ لیل و نہار اس کے لئے بیکار ہے
یہ شرابِ بے خودی سے رات دن سرشار ہے

ساقی جولائی ۱۹۳۹ء

حسنِ خطاب

جو عزیزوں کا غمگسار نہیں — میں نہیں اِس کا رازدار نہیں
میرے احباب سب ہیں قوم پرست — کس کا دل قوم پر نثار نہیں
قوم سے دین قوم سے دنیا — ورنہ دنیا و دیں میں بار نہیں
قوم سے جو نکل گئے ان کا — دوسروں کو بھی اعتبار نہیں
اپنی حقانیت پہ ہم خوش ہیں — مطمئن دل ہیں بے قرار نہیں
شرع اپنی شعار قومی ہے — حق پرستوں میں بدشعار نہیں
جس طرف دیکھئے ہیں اہلِ دل — بے دلی کا کوئی شکار نہیں
ہے فرائض شناس ساری قوم — غفلت و جہل پردہ دار نہیں

کون ہے جس نے ہم سے کچھ نہ لیا
درسِ عبرت ہمیں نے سب کو دیا

جوش ہے ہم میں راستی بھی ہے — کیا کسی چیز کی کمی بھی ہے
ہم کو پہلے بھی قوم کا تھا خیال — دھن اسی کی بندھی ہوئی بھی ہے
ہم پہ ظاہر حقیقتِ دنیا — جو محقق ہے فلسفی بھی ہے
اب بھی مثلِ سلف ہمارے لئے — سرفروشی میں دل لگی بھی ہے

جس کے اجداد میں شہید نہیں — ہم میں کیا ایسا آدمی بھی ہے
جان دینے سے جو چرائے جی — اس کی مدحت کہیں سنی بھی ہے
ہے وہ سالارِ کارواں اپنا — مفتخر جس پہ رہبری بھی ہے
تجھ کو اے قابضِ مکانِ سلف — کچھ خبر ان کے اوج کی بھی ہے

اِن بزرگوں کو تو کبھی نہ بھلا
جن سے رازِ عروج قوم کھلا

رسالۂ زبدۃ الملک بابتہ ۱۴ر شعبان ۱۳۵۶ھ

درسِ عمل

پڑھو علم، حاصل لیاقت کرو — عیاں ہر جگہ قابلیت کرو
یہ ہے وقت محنت کا محنت کرو — جو دولت کی دھن ہے تجارت کرو
تجارت پہ مائل نہیں دل اگر — تجارت نظر آئے مشکل اگر
نہ ہو تم تجارت کے قابل اگر — تجارت کو چھوڑو زراعت کرو
زراعت کا دل میں جو چسکا نہیں — نہ گھبراؤ کچھ اس کی پروا نہیں
زراعت ہی سب کا سہارا نہیں — تم اس کے عوض شوقِ صنعت کرو
نہ پاؤ اگر دل میں صنعت کا شوق — پہن لو گلے میں اطاعت کا طوق

نہیں جائے گا رائیگاں یہ بھی ذوق	کرو اپنے مالک کی خدمت کرو
یہ پیسے جو نکلے ہیں گنتی میں چار	کرو ان میں سے کوئی اک اختیار
مگر اے عزیزو! رہو استوار	یہ ہے وقت محنت کا محنت کرو

بریم لاہور دسمبر ۱۹۳۵ء

طمع کا نتیجہ

سننے کا واقعہ ہے ذرا غور سے سنو	کہتے ہیں ایک ملک میں اک تاجدار تھا
مجموعۂ صفاتِ حمیدہ تھی اس کی ذات	فیاض تھا، دلیر تھا، پرہیزگار تھا
میراث میں پدر سے حکومت ملی نہ تھی	بانیٔ سلطنت وہی عالی وقار تھا
سالِ جلوس اس کا تھا چہل و چہار میں	۹۰ برس کی عمر تھی دیرینہ کار تھا
فرزند اس کے دونوں بظاہر سعید تھے	لیکن بڑا کہ تخت کا امیدوار تھا
تھا آرزوئے مرگِ پدر میں تباہ حال	اک قلعہ دار اس کا بڑا راز دار تھا
دونوں میں ہو چکے تھے جو قول و قرار طے	آگاہ اس سے خود شہِ والا تبار تھا
اک روز کا ہے ذکر کہ شاہِ فلک سریر	مسجد میں محوِ طاعتِ پروردگار تھا
شہ کا ادھر رکوع میں جانا تھا اور ادھر	نیزہ ستم شعار کا سینے سے پار تھا
خود شاہِ جاں بلب نے بھی دیکھا دمِ اخیر	قاتل نمک حرام وہی قلعہ دار تھا

بولا بلا کے بیٹے سے جانِ پدر سنو
مہمان چار دن کا بھی ہیں تم پہ بار تھا

ملنا یہ تخت تم کو ابھی چار دن کے بعد
مرنے کے خود قریب یہ زار و نزار تھا

بس اتنا کہہ کے باپ نے جنت کی راہ لی
جب تک یہ ناسپاس جیا شرمسار تھا

دامن پہ اس کے اب بھی ہی داغِ پدر کُشی
ویسا ہی اب بھی خوار ہے جیسا کہ خوار تھا

ساقی جولائی ۱۹۳۶ء

حامد اور جسونت

سوال

دیکھو! آتے ہیں وہ پیارے استاد
سب سے اچھے ہیں ہمارے استاد
بھائی جسونت بتاؤ تو سہی
کیا ہیں ایسے ہی تمہارے استاد

جواب

چپ رہو جانِ برادر حامد!
علم پھیلاتے ہیں سارے استاد
تم جدا ہم سے نہ ہم تم سے جدا
جو تمہارے وہ ہمارے استاد

سالنامۂ پریم ۱۹۳۶ء

درسِ محبت

دوست ملا تھا تجھ کو کیسا حیف اتنا بھی یاد نہیں
جاں فدا کرتا تھا جس پر دل میں اسکی یاد نہیں

گردشِ دوراں نے جب اسکو آہ شکستہ حال کیا
دیکھ کر اس کے حالِ زبوں کو تو نے کچھ نہ ملال کیا

کون شکستہ حال کہاں ہے یہ بھی دھیان آیا نہ تجھے
آہ تصور نے ایسے محسن کے تڑپایا نہ تجھے

پاس تھا اپنے قول کا جسکو تو نے کچھ اسکا پاس کیا
آہ رفاقتِ دیرینہ کا بھول کے بھی احساس نہ کیا

اسکے درد سے واقف ہو کر تو نے خبر کیا لی اسکی
قرضِ محبت جان کے دل سے کیا کوئی خدمت کی اسکی

دل تیرے اس دوست کا ناحق وقفِ سحر لسانی تھا
میری سمجھ میں اب آیا وہ جمع و خرچِ زبانی تھا

ناداں انساں! تیری دولت تیرے ساتھ نہ جائیگی
لیلیٰ مطلب دور رہے گی تیرے پاس نہ آئیگی

حصر فقط تجھ ہی پر کیا ہے تو ہی اک زر دوست نہیں
دوست بہت ملتے ہیں لیکن ان میں اکثر دوست نہیں

دوست نہیں جو نام کی خاطر اپنے دوست کے کام آئے
دوست وہ ہے لوگوں کی زباں پر جس کا مثالاً نام آئے

ادبی دنیا جون ۱۹۳۴ء



سید علی منظور حیدرآبادی

سچی دوستی

جس سے بھی ابّا نے کی تھی دوستی عمر بھر اس نے نبھا دی دوستی
کھیل تھی کیا آہ ان کی دوستی
قدر کے لایق ہے سچی دوستی

(۲)

مجھ میں بھی ان کا اثر آیا ہے کچھ فیض ان سے میں نے بھی پایا ہے کچھ
میری بھی سب سے نبھے گی دوستی
قدر کے لایق ہے سچی دوستی

(۳)

ہے شریف النساں اُمّ اہر ایک دوست مجھ کو قسمت سے ملے ہیں نیک دوست
دوست اچھے اور اچھی دوستی
قدر کے لایق ہے سچی دوستی

(۴)

دوست وہ، جو دوست کی عزت کرے دوستی میں راستی کا دم بھرے
ورنہ کس کا دوست کیسی دوستی
قدر کے لایق ہے سچی دوستی

پریم لاہور ۹ر فروری ۱۹۳۶ء

بائیکاٹ

نہیں کچھ پاس جن کو امتیازاتِ اب وجد کا
سکھاتی ہے روش زاہد کی ان کو فن خوشامد کا
غرض جس سے ہی اس کو پاؤں اس کے چوم لیتا ہے
فریسوں کو بھی دھوکا ہو فریب اس طرح دیتا ہے
نہیں مدِ مقابل اس کا خود اس کے حریفوں میں
نظر آتا ہے یہ ممتاز "غیرت کُش ظریفوں" میں
کوئی عزت نہیں رکھتا مگر عزت کا ہے طالب
یہ کہتا ہے کہ سب اس کو پکاریں "مولوی صاحب"
اسے حاصل ہے عیاری کے فن میں وہ یدِ طولیٰ
جھلائے عمر عیار اس کے شاگردوں کا خود جھولا
شکایت تنبر خاں کی، کی نہیں اس نے کرم خاں سے
گلے کرتا ہے شیخ افضل کے یہ مرزا سلیماں سے

مخاطب کون ہے اور وقت کیسا ہے سمجھتا ہے
شعور اس بدسیر کا ہر کسی سے کب الجھتا ہے
یہی ہے مشغلہ اس کا یہاں آنا وہاں جانا
بدی نیکوں سے کرنا یا بروں کو نیک ٹھہرانا
مذاق اس کا ہمیشہ خوش ہے اس آوارہ گردی سے
تمرّد اس کا عزت خواہ گرمی سے نہ سردی سے
ہوا جب تک نہ تھا زاہد کے ان اطوار کا عرفاں
محبت میری اس کے واسطے تھی مصدرِ احساں
مگر جب آزمائش ہو چکی خود بن گئی جامد
بڑا خودکام ہے زاہد بڑا زر دوست ہے زاہد
حقیقت آشنا جو دوست ہیں میں ان کا شیدا ہوں
اب اس زر دوست کی حد تک فقط صورت شناسا ہوں

ساقی مارچ ۱۹۴۰ء

میراث

کیا یاد مجھے آئے وہ گنجینۂ پرویز
تھا اہلِ بصیرت کی نگاہوں میں جو ناچیز
آتے ہیں نظر گوہرِ انجم مجھے گل ریز
لیکن نہیں وہ لعل و جواہر طرب انگیز

گنجینۂ پرویز کا حق دار نہیں میں
اس کے خمِ دولت سے تو سرشار نہیں میں

گو "مرکز دولت" اسے کہتے ہیں ہوس کار
گردش پہ نہیں صورتِ پرکار میں تیار
قاروں بھی ہے میرے لئے منجملۂ اغیار
قاروں کی بھی دولت کا نہیں ہوں میں طلبگار

میرے لئے قاروں کا خزانہ ہے فسانہ
تاریخ ہے تاریخ فسانہ ہے فسانہ

جو بات بھی کرتا ہوں میں کرتا ہوں سند کی
کی ہی نہیں خواہش کبھی غیروں سے مدد کی
کیوں ان کے خزانوں پہ نظر ڈالوں حسد کی
میرے لئے میراث ہی اپنے اب و جد کی

میراث میں جو کچھ مجھے والد سے ملا ہے
اوروں کے خزانوں سے مرے حق میں سوا ہے

والد نے بنایا ہے مجھے اپنے ہی ڈھب کا
میں نے سبق ان سے ہی پڑھا حسنِ ادب کا
راز ان کا شرف ہی مرے اعزازِ نسب کا
محتاجِ کرم ان کا نہ تھا میری طلب کا

خون ان کا مرا خون ہے میں ان کا ہوں مظہر
مال ان کا مرا مال ہے گھر ان کا مرا گھر

منہ حضرتِ مرحوم نے دنیا سے جو موڑا / ہر قسم کا سامان مرے واسطے چھوڑا
بگی یہ انہیں کی ہے انہیں کا ہے یہ گھوڑا / اور ان کے سوا اشرفیوں کا بھی ہے توڑا

تھا حضرت مرحوم کو جو فکرِ "پس انداز"
میرا بھی سمجھ لیجئے ویسا ہی بس انداز

سرمایۂ والد میں کروں گا میں اضافہ / پورا کرے اللہ تعالیٰ یہ ارادہ
میرے لئے والد نے جو چھوڑا ہے اثاثہ / دے جاؤں گا اولاد کو اس سے بھی زیادہ

میراث سے یادِ اب وجد رہتی ہے تازہ
اٹھتا ہے بڑی دھوم سے مورث کا جنازہ

میراث کے اسرار سے واقف ہیں خردمند / میراث سے خیرات کا کوئی نہیں پیوند
میراث سے محروم نہ دختر ہو نہ فرزند / ہیں باپ کی نظروں میں جو دونوں ہی جگر بند

ہے مورث و وارث کے لئے رابطہ میراث
بے واسطہ خیرات ہے بالواسطہ میراث

میراث میں جاگیر ملے یا فقط اک گھر / حساس مزا لیں گے بہر حال برابر
میراث پہ لڑتا ہے برادر سے برادر / ناحق نہیں یہ جنگ کرو غور جو اس پر

حق اپنا جتانے کے لئے ہے یہ لڑائی
ظاہر میں لڑائی ہے تو باطن میں صفائی
مخفی نہیں شورش کدۂ دہر کی حالت
طے کرتے ہیں حاکم جو خصومات بکثرت
میراث کے جھگڑوں کی نہیں ان میں حلاوت
ان میرے بیانات کی شاہد ہے عدالت
کیا فیصلے میں لطف ہے سرکار سے پوچھو
ذوق ان کا کسی ایک زمیندار سے پوچھو

ساقی مارچ ۱۹۳۹ء

گذارشِ احوالِ واقعی

شاعروں کو جستجو ہے قدرداں ہے یا نہیں
دیکھئے! رخ ان کا سوئے قدرداں ہے یا نہیں
قدردانِ فن کا رخ، روشن کنِ بزمِ سخن
اختلافات اس قدر آپس میں پھر بھی قدرِ فن
قابلِ تعریف خوئے قدرداں ہے یا نہیں

(۲)

قدردانوں کی کمی رکھتی ہے کس کو حال مست
کرچکی ہے بارہا یہ حوصلہ غالب کا پست

تمارکِ دُنیا کے دل میں بھی ہی جا ہے قدرداں
پیرسا نازک دماغ الناس فدائے قدرداں

وجہ تسکیں دیدِ روئے قدرداں ہے یا نہیں

(۳)

قدرداں کی یافت رازِ ارتفاعِ شاعراں
نذرِ چشمِ قدرداں یکسر متاعِ شاعراں!

قدرداں قدرِ ہنر کرنے پہ خود مجبور ہے
قدرداں کی واہ واسی جس کا دل مسرور ہے

مطمئن وہ روبروئے قدرداں ہے یا نہیں

(۴)

مرحبا احسنت شاباش آفریں صد آفریں
قدرداں نے کہدیا جو ہو گیا وہ دل نشیں

قدرداں جنکے بڑھاتے جارہے ہیں حوصلے
آپ ان ہی باکمالوں سے یہ جا کر پوچھئے

جاذبِ دل گفتگوئے قدرداں ہے یا نہیں

۵

"قدرداں کا میں نہیں خواہاں" یہ کہنا ہی غلط
قدرداں سے بے غرض مجذوب بنتے ہیں فقط

بھائی جاں! سید علی منظور پر کیا حصر ہے
وہ تو وہ فی الحال جو شاعر وحید العصر ہے

یاد اسے بھی کاخ وکوئے قدرداں ہے یا نہیں

ساقی فروری ۱۹۳۶ء

شاعر سے خطاب

مرحبا اے شاعرِ روشن ضمیر　　　جذا اے پرتو اسمِ خبیر
آفریں اے "بینش افروز فقیر"　　　شاد باش اے "دانش آموز امیر"

فاش تیرے دل پہ ہر اک راز ہے
دانش آموزی تری اعجاز ہے

اب کہاں وہ روح پروردادیاں　　　وہ جہانِ قدس کی شہزادیاں
کیا کہیں کیسی ہیں یہ آبادیاں　　　وہ زمانے اب نہ وہ آزادیاں

اپنی اپنی رو پہ ہم کو چھوڑ دے
ہو سکے تو بند سب کے توڑ دے

تو ہے آمر، جو ترے فرمان ہیں　　　قوم کی تشکیل کا سامان ہیں
تو ہے شاعر، جو ترے عنواں ہیں　　　اجتماعی زندگی کی جان ہیں

حکم دے تیرے سوا آمر ہے کون
شعر کہہ تیرے سوا شاعر ہی کون

ہاں، وہی پھر شاعرانہ التفات　　　ہاں، وہی پھر فاعلاتن فاعلات
تیری ہر اک بات ہی قند و نبات　　　شعر تیرے چشمۂ آبِ حیات

زندگی کی لہر دوڑا دے ابھی
راز "خود فہمی" کا سمجھا دے ابھی

شاعرانہ جوش لے کر مستعار — آتے ہیں جو تیرے آگے بار بار
جن کی "بے واری" ہی تجھ کو ناگوار — گر انہیں تو کم نگاہی کا شکار
شعر ان کے شاعری کی نقل ہیں
عمر کھوتے ہیں یونہیں بے عقل ہیں

تیر ابد اندیش ہر نقال ہے — مانعِ تفصیل یہ اجمال ہے
نکتہ سنجوں کا ہر اک جا کال ہے — پھر بھی تو خوش حال تھا خوش حال ہے
سب کو حاصل انہماک ایسا نہیں
مدح و ذم کی اب تجھے پروا نہیں

اپنی فطرت سے عدو مجبور ہے — فطرتاً تو شاد وہ رنجور ہے
اس سے رازِ شاعری مستور ہے — رشک سے تیری طبیعت دور ہے
دل کسی قابل جنھیں پاتا نہیں
رشک ان پر واقعی آتا نہیں

کر گئے استاد دنیا سے سفر — آتی ہے ان کی جگہ خالی نظر
لیکن اپنا رخ ادھر ہرگز نہ کر — بیٹھ تو خود اپنی کرسی دیکھ کر
دل سے شوقِ جانشینی دور کر
قدر اپنی اے علی منظور کر

ادبی دنیا اگست ۱۹۳ء

تصحیح خیال

مری نظر سے نہاں کب ہیں وہ "سخن آرا" — جو شاعروں پہ کئے جا رہے ہیں ظلم صریح
ہے ان کا علم بس اتنا کہ نقل جب نہ کریں — بلا مبالغہ لکھیں "کریہہ" کو بھی "کریح"

(۲)

نہیں ہیں ان کی تراکیب ہی لطیف لطیف — ہیں ان کے بعض اسالیب بھی صبیح صبیح
مگر جو یاد نہیں ہے محلِ استعمال — خود اپنے جہل کی کرتے ہیں ہر جگہ تصریح

(۳)

یہی رہا اگر ان کی نمود کا عالم — مجھے یہ ڈر ہے کہ روپوش ہو نہ جائیں فصیح
یقیںؔ کے رنگ میں کہتے تو خیر کہہ لیتے — مگر یہ کرتے ہیں غالبؔ کے طرز کی تشریح
وہی لغات وہی ہے اضافتوں کی لپیٹ — وہی نکات وہی فاضلانہ ہے تلمیح

(۴)

سخنورانِ گرانمایہ کیوں نہ ہوں حیراں — جب ان کے جہل سے ہو ان کے علم کی توضیح
وہ "شعر ساز" بھی لکھوائیں شاعروں میں نام — جو نقل ٹھیک اتاریں تو پڑھ سکیں نہ صحیح
بنا نہیں کوئی "لفظوں کو جوڑ کر" شاعر — کریں یہ لوگ اب اپنے خیال کی تصحیح

تم ان سے کس لئے غافل ہو اے علی منظور!
ہر اک پہ فرض ہے جن کے کلام کی تنقیح

فاتحہ سالانہ

آج مصروف نظر آئے نہ کیوں ریحانہ
کیسے دمساز کا ہے فاتحہ سالانہ

عورتیں آئی ہیں کثرت سے محلے والی
اس بڑے گھر میں جگہ رہ گئی ہے کم خالی

یہ جو پھیلا ہوا سامان ہے بریانی کا
فرض کرتی ہے ادا اس کی نگہبانی کا

اک یہی فرض نہیں اس کے فرائض میں کئی
آگئی کوئی عزیزہ تو یہ ملنے کو گئی

عورتیں خاص عزیزوں میں کم ایسی ہونگی
جو کسی خاص سبب ہی سے نہ آئی ہونگی

کام بھی کرتی ہے باتیں بھی کئے جاتی ہے
داد سنجیدہ خیالی کی لئے جاتی ہے

(۲)

حیرت انگیز ہے اس کا "عمل آرا" عالم
زعفراں حل کبھی کرتی ہے کھرل میں پیہم

گوشت بنواتی ہے بیٹی کی مدد سے گاہے
(اپنی جائی ہے تو غیروں سے مدد کیوں چاہے)

دیگ کے نیچے کبھی آگ یہ بھڑکاتی ہے
چہرہ تپتا ہے تو دم بھر کو سرک جاتی ہے

کبھی یخنی کے مصالح کی یہ لیتی ہے خبر
غرض آتی ہے نظر گاہ ادھر گاہ ادھر

جب کسی کام میں دیتی ہے بہو اس کا سات
کام کرتی ہوئی کر لیتی ہے کچھ کام کی بات

یاں بہو، منتظرِ حکم ہے، باہر بیٹا
دل کسی کام میں اس کا نہیں ہوتا بیٹھا

(۳)

عمر چالیس کے اوپر ہے مگر اس پر بھی
نظر آتی ہے یہ فی الحال جواں ہمت ہے

چلن اس غم زدہ بی بی کا شریفانہ ہے
سبق آموز جہاں عصمتِ ریحانہ ہے

زخمِ دل ہے سینۂ ہجر دوامِ شوہر
آہ کس طرح بھلا دیتی یہ نامِ شوہر

کون یاد آئے گا پھر گر نہ اسے یاد کیا
جس نے اکیس برس ہر جہتی ساتھ دیا

بست و یک سالہ رفاقت کا اثر کیا کہنا
اس کو آسان ہے اب اس کی ہی دھن میں رہنا

پختہ کارانہ تصور یہ ہیں اس کے سب ڈھنگ
ایک تصویر ہیں برسوں سے بھری جاتی ہے رنگ

یہ مناتی ہے جس انداز سے یومِ شوہر
اس کے ہر سال ہوا کرتے ہیں چرچے گھر گھر

سب رس اردو نامہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

یہ کس کی ابدی خوابگاہ ہے

دے جواب اس کا دہانِ گور سے اے ہم صفیر
تجھ کو اس خاکی قفس میں کر دیا کس نے اسیر

چٹکیاں لیتے ہیں دل میں ہم کلامی کے مزے
کس طرح بھولوں میں تیری خوش خرامی کے مزے

یاد ہے مجھ کو وہ تیری جامہ زیبی آہ آہ
وہ ادائے جانفزا وہ دلفریبی آہ آہ

اف وہ باتیں پیار کی پہلو بہ پہلو بیٹھ کر
اب بھی ہے لذت فروشِ دل ترا تیرِ نظر

خندہ ہائے زیرِ لب کی شان اب تک یاد ہے
یاد ہی تیری ظرافت مجھ کو بے شک یاد ہے

پان تیری طرح اے ہمدم لگائے کون اب
برمحل ہنس ہنس کے مجھ کو بھی ہنسائے کون اب

جاذبیت شرم میں شوخی میں اک دلبستگی
وہ تبسم فاتحانہ وہ شکست آمادگی

آہ وہ کچھ دیر باہم باتوں میں لگاڑ
اف وہ تجدیدِ محبت کے لئے پھر چھیڑ چھاڑ

ہم مذاقی کے مزے تجھ سے صرف تیری ذات تک
شرط بدکر جاگنا وہ آدھی آدھی رات تک

خواب آلودہ نگاہوں کا وہ منتر یاد ہے
یاد ہے تیری ادائے سحر پرور یاد ہے

اب نہ وہ میں ہوں نہ وہ عہدِ نشاط انگیز ہے
تو تصور میں مگر اب تک تبسم ریز ہے

قبر میں تنہا ادھر تو میں اکیلا ہوں ادھر
ہم نشیں تجھ سا ملے گا اب کہاں؟ جاؤں کدھر

ہمایوں اپریل ۱۹۳۴ء

شہرِ خموشاں کو دیکھ کر

نہیں یہ ڈھیر مٹی کے، سبق آموزِ عبرت ہیں
کروں اے ہمنشیں کیونکر نہ ان سے استفادہ میں

نشانِ رفتگاں ہیں نے ہر اک منزل میں پایا ہے
اسی "عبرت کدہ" نے کیا خیال ان کا جمایا ہے

قیاس اپنا کیا ان پر جو میں نے اے شریف النساں
نظر آیا مجھے ان میں کوئی خنداں کوئی گریاں

یہاں مظلوم ہی رہتے نہیں ہیں بلکہ ظالم بھی
نظر پہلو بہ پہلو آتے ہیں محکوم و حاکم بھی

نہ دیکھا تم نے شاید ان کو اب تک چشمِ عبرت سے
خدارا لو سبق کچھ بھی تو ان الواحِ تربت سے

ہمایوں ہے یہاں آسودہ، وہ قبرِ ہلاکو ہے
سنا ہی یہ کوئی مرشد ہیں اور وہ ایک ڈاکو ہے

وہ شہ زور آج بیکس ہیں جو کمزوروں سے لڑتے تھے
خدا جانے کہ اہلِ حلم سے کیونکر بگڑتے تھے

کرو یاد ان بزرگوں کو شرافت جن پہ ہی نازاں
نہ بھولو ان کو بھی جو تھے سپہ سالارِ شربازاں

نگاہوں میں انھیں رکھو ابھرنا ہے اگر تم کو
خیالوں میں انھیں پرکھو سنورنا ہے اگر تم کو

ساقی اگست ۱۹۳۶ء

سکوتِ گورستاں

نظارہ کر چکا جب میں خزاں دیدہ گلستاں کا
لیا تنہا وہاں سے راستہ شہرِ خموشاں کا

یہاں آ کر وہاں کا ڈھب بھلا دینا پڑا مجھ کو
ادب ملحوظ ہی آسودگانِ خاک کا مجھ کو

اسی عالم میں یاد اپنے کئی احباب کی آئی
بڑھا احساسِ غم اتنا کہ کھو دی تابِ گویائی

کیا تھا جن عزیزوں کو سپردِ خاک خود میں نے
غضب ہے، ان کے مرقد بھی تو پہچانے نہیں جاتے

یہ دن کا وقت، سناٹا یہاں ہے رات کا اب بھی
اندھیرا ہی ہے مشہودات پر چھایا ہوا اب بھی

نظر دیتی نہیں کام آہ غم کی حد بتاؤں کیا
میں ان سوتے ہوؤں کو دردِ دل اپنا سناؤں کیا

سکوت آمودِ مرقد رنگ اپنا یہ جماتے ہیں
کہ ہنسمکھ پھول بھی یاں آ کے ہنسنا بھول جاتے ہیں

نظر آؤں نہ ایسے انقلابوں پر بھی حیراں ہیں!
یہ میرے ساتھ ہنسنے بولنے والونکی قبریں ہیں

اگر مانع نہ ہوتی پاس و عبرت کی ہم آغوشی
مجھے آمادۂ فریاد کر دیتی یہ خاموشی

ہمایوں، مئی ۱۹۳۹ء

اثرِ انقلاب

ماحول دلگداز جو ہے "غمِ اثر" ہے پھول
منظر اسی کا ورنہ کبھی خوش گوار تھا

گلشن میں ایک "نرگسِ حیراں" کو چھوڑ کر
دیدار اس کا سب کے لئے کیف بار تھا

اپنے حسین تبسمِ عشرت نواز سے
ہمرازِ خندۂ چمنِ روزگار تھا

ہر شان اس کی حسن کی آئینہ دار تھی
ہر جلوہ اس کا ذوق کا سرمایہ دار تھا

مسرور اس کی دید سے تھی سب کی چشمِ شوق
مانوس اس کے رنگ سے ہر گلعذار تھا

تصویر اس زمانے کی ہے اب کوئی تو دیکھ
کس درجے دلفریب یہ اے حسن کار تھا

گنبد میں آج "یاس فزائے مزار" ہے
کل گلستاں میں "زیب دہ شاخسار" تھا

یاد اس کی داستانِ جمال آہ کس کو ہے
کیا جانے کون اس کا سوانح نگار تھا

اتنا پتہ تو دیتا ہے آج انقلابِ دہر
گلچیں بھی اس کے حسن پہ دل سے نثار تھا

یہ پھول اب جو حسرتِ قبرِ شکستہ ہے
سرمایۂ نشاطِ عروسِ بہار تھا

میخوار ذلیل و خوار ہوئے[1]

کچھ ننگِ وطن میخوار ہوئے
سدہ بدہ نہ رہی سرشار ہوئے
شیشے میں پری دیکھی تھی جہاں
ہوش ان کے وہیں بیکار ہوئے
مست اس سے زیادہ کیا ہوں گے
ناچار نہ تھے ناچار ہوئے
لی راہرووں نے ان کی خبر
بے سدہ جو سرِ بازار ہوئے

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
خود چاہ کے جو بیمار ہوئے

---

[1] یہ نظم میں نے اپنی قوم و وطن کے مایۂ ناز فرد نواب بہادر یار جنگ بہادر کی خواہش پر کہی تھی، موضوع کی تحدید نے اس کو زیادہ شگفتہ بننے نہیں دیا۔ دل نے کہا:۔

کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

اسی لئے ردیف میں تھوڑا سا تغیر کر کے اسی قسم کی تمہید کے ساتھ ایک نعتیہ نظم کہدی جس کا عنوان ہے "سخنہائے گفتنی"

کیا دور ہو ان کی بیماری　　مشکل ہے علاجِ ناداری
ملتے ہیں کہاں سے پیسے انہیں　　افلاس میں بھی یہ سرشاری!
زردار بھی جس سے عاجز ہیں　　وہ شغل ہے روزانہ جاری
جب چور نہ تھے اب چور بنے　　ذلت کا سبب ہے میخواری

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
زردار جو تھے نادار ہوئے

اب کچھ نہیں ان اشرار کے پاس　　ہر چیز ہے ساہوکار کے پاس
نام ان کا بروں میں شامل ہے　　جا ان کی نہیں ابرار کے پاس
یہ عقل کے دشمن بیچتے ہیں　　احباب کا مال اغیار کے پاس
بدنام ہے ان سے قوم ان کی　　مجرم یہ بنتے سرکار کے پاس

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
دوران سے نکوکردار ہوئے

دل ان کا نہیں ان کے بس میں　　کھاتے ہیں نئی ہر دم قسمیں
مرنے کے طریقے یاد ان کو　　جینے کی مٹا ڈالیں رسمیں

کام ان کے کوئی سلجھائے گا کیا — الجھے ہیں، یہ خود خار و خس ہیں
دشمن ہیں جو گھر کی چیزوں کے — وہ جا کے رہیں گے محبس میں

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
مٹنے کے لئے تیار ہوئے

بیوی کا نہیں احساس انہیں — بچوں کا بھی ان کو پاس نہیں
روتے ہیں وہ سب افلاس زدہ — اور ان کو غمِ افلاس نہیں
بیگانے تو بیگانے ہی رہے — اپنوں کو بھی ان کی آس نہیں
اخلاف یہ کیسے ہیں؟ ان میں — اسلاف کی کچھ بو باس نہیں

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
جب مست ہوئے طرار ہوئے

چلتے ہیں یہ ہر سو تن تن کر — ہنستے ہیں تماشا خود بن کر
میخانے کی دھن میں روٹھ گئے — بیٹھے ہی نہیں گھر میں من کر
بنتا ہے وکیل ان کے دل کا — خود رنگِ فلاکت چھن چھن کر
ان خیرہ سروں کو مستی میں — آتا ہے بگڑنا بن بن کر

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
تحقیر کے یہ حق دار ہوئے

ہوش آئے گا ان کو کب یارب — برگشتہ ہیں تجھ سے سب یارب
ہر سمت بھٹکتے پھرتے ہیں — لا راہ پہ ان کو اب یارب
مستی میں نہ بہکے اب کوئی — ہو وردِ زباں یارب یارب
کیا دیکھے علی منظور انہیں — ان سب کے برے ہیں ڈھب یارب

میخوار ذلیل و خوار ہوئے
اک بار نہیں سو بار ہوئے
ان سے شرفا بیزار ہوئے

رسالہ ترک مسکرات غالباً ۱۹۳۸ء

سخنہائے گفتنی

اعمالِ قبیحہ کا خوگر وقفِ ستمِ اغیار رہا
اقبال سے روگرداں ہو کر زیرِ اثرِ ادبار ہوا

لاکھوں کا ہوا ہی حال زبوں اس وقت کہاں تک نام گنوں
پھر ان کا ہی کیا پرچار کروں یاں جن کا بہت پرچار ہوا

بدنام کنِ اسلاف و وطن اسرار و حقائق کے دشمن
مشہورِ جہاں تھے جو پُرفن ان کا ہی لقب فجار ہوا

فجار سے دنیا بھر کو گلہ ہے ملک کوئی کب مستثنیٰ
فجار نے جس میں دخل دیا برباد وہی سنسار ہوا

کابل ہی نہیں ایراں ہی نہیں بابل ہی نہیں یوناں ہی نہیں
اور اپنا یہ ہندوستاں ہی نہیں ہر ملک ذلیل و خوار ہوا

تھی جن پہ خیانت خود حیراں لاریب ہوا ان کا ہی زیاں
تھی جنسِ وفا جس میں ارزاں ہاں سرد وہی بازار ہوا

دنیا کی ہوئی جب یہ درگت کی میرِ عرب نے اک حرکت
تھی یہ حرکت رازِ برکت پھر چست ہر اک ہشیار ہوا

ہر قولِ محمدؐ مستحسن ہوتا تھا اثر اس کا فوراً
جو زشت عمل تھا ننگِ وطن وہ شخص بھی نیک اطوار ہوا

تعلیم نبیؐ نے کام کیا کوئی متعلم بھی ان کا
بزدل نہ رہا بے دین نہ رہا جانباز ہوا دیندار ہوا

حضرتؐ کی نظر جس پر بھی پڑی جاتی رہی سب وحشت اسکی
دیکھو تو وہی خود سر بدوی سلطانِ قمر آثار ہوا

دی فلسفہ کی داد اس نے دی حکمت کی بھی رونق اس سے بڑھی
ہر فن میں دکھائی شان اپنی رمال ہوا جفار ہوا

مذہب کی طرف دلشاد آیا دیندار بنا منقاد آیا
جب عہدِ جہالت یاد آیا خود مائلِ استغفار ہوا

تاریخ ہے خود شاہد اس کی تقدیر جو مسلم کی چمکی
ہر رزم میں چمکائی بجلی ہر بزم میں گوہر بار ہوا

دوات کا مٹا سب شور و شر معلوم ہوا مسلم کا اثر
دولت کدۂ کسریٰ یکسر ایران میں جب مسمار ہوا

وہ جوش میں مسلم کا بہنا وہ جنگ میں بھی خوش خوش رہنا
وہ وقت شناسی کیا کہنا بیدار کیا بیدار ہوا

کیوں ہوتا "غم اسباب" اسے واقف وہ جہان فانی سے
ہر قسم کی قربانی کے لئے جب وقت ملا تیار رہا

تلوار کا کہلایا جو دھنی مشہور رہا دنیا میں غنی
کی جھوٹ کی اس نے بیخ کنی سچ کے لئے خود میار ہوا

قیصر کی سپاہِ انجم فر، مسلم کے اثر سے زیر و زبر
کسریٰ کا پریشاں کن لشکر اس مرحلہ میں بیکار رہا

مسلم کا ستارہ جب چمکا ہر سمت پڑا پرتو اس کا
کام اس نے بڑی ہمت سے لیا ثابت نہ بنا سیّار ہوا

انوارِ حقیقت پھیلائے اسرارِ سیاست سمجھائے
ابرار پہ موتی برسائے اشرار پہ آتش بار رہا

خلقت ہوئی گرویدہ اس کی ہر بات تھی سنجیدہ اس کی
رفتار پسندیدہ اس کی مشہور و خوش گفتار رہا

مسلم پہ اثر دینِ حق کا اور اس سے زیادہ کیا ہوگا
آزاد نہ تھا آزاد ہوا خوددار نہ تھا خوددار رہا

مسلم نے ہی روما فتح کیا دنیا میں گڑا اس کا جھنڈا
کیا مصر ہی اک مفتوح ہوا تبریز ہوا تاتار رہا

کون آج حقیقت کوش نہیں وہ کون ہے جو پرجوش نہیں
مذہب کا کسے اب ہوش نہیں سرشار جو تھا ہشیار رہا

ہے فرض اطاعت حضرتؐ کی حضرت کی اطاعت جس نے کی
دنیا میں بھی "جنت" اس کو ملی جنت کا بھی وہ حقدار رہا

احساں ہوا دا کیا حضرت کا خود چل کے ہمیں بھی دکھلایا
حضرت سے شریعت کا رستہ دلچسپ بنا ہموار رہا

ہم جوش میں اب بھی بہتے ہیں دنیا میں ہر اک جا رہتے ہیں
نادان ہیں وہ جو کہتے ہیں اسلام نحیف و زار رہا

باطل نے کیا جس کو غافل جو ہو نہ سکا حق پر مائل
جینا بھی ہوا اس کو مشکل مرنا بھی اسے دشوار رہا

ہر دفت جسے بھڑکانا تھا خود بولہب اس ہیں کو دپڑا
ہے حصر اس آتش خو پر کیا ہر دشمن دیں فی النار رہا

کی دینِ خدا کی بدخواہی اور اس کے سوا کچھ بات نہ تھی
مشہور یہاں بوجہل شقی جس بات سے دل آزار رہا

سرکارؐ کے دشمن پر لعنت ہے اس سے مجھے بے حد نفرت
جب دیکھ چکا اس کی فطرت ہر نیک سیر بیزار رہا

حضرتؐ کے محب پر دل قرباں حاصل ہی مجھے ان کا عرفاں
ہے ان کے ہی عرفاں کا احساں دیواں جو مرا تیار ہوا
دیوان مرا کوئی دیکھے ہیں رشکِ ارم اس کے صفحے
یوں باغ لگائے ہیں ہیں نے یوں میرا قلم گلکار ہوا
منظور ہیں ان کا مدح سرا تھا جن کو نہیں کچھ خوفِ خدا
جب مجھ پہ خدا نے فضل کیا مداحِ شہِ[۳] ابرار ہوا

غلیق بابتہ ماہ صفر ۵۷ھ

مدحِ خواجۂ دکنؒ

معینؒ الدیں[۱] ہیں قطبؒ الدینؒ[۲] سے شاد — تو قطبؒ الدیں فریدؒ الدینؒ[۳] سے شاد
فریدؒ الدیں نظامؒ الدینؒ[۴] سے خوش — نظامؒ الدیں نصیر الدینؒ[۵] سے خوش
نصیر الدیںؒ مرے ممدوح سے شاد
مرے ممدوح کا تو نام رکھ یاد
مطیعِ مصطفےٰ سید محمدؐ[۶] — مطاعِ باصفا سید محمدؒ[۷]
دوئی کیسی؟ یہ ہر فرد یگانہ — مری نظروں میں ہے قطب زمانہ

---

۱ غریب نوازؒ ۲ بختیار کاکیؒ ۳ گنج شکرؒ ۴ سلطان المشائخ ۵ چراغ دہلی ۶ ۷ بندہ نوازؒ غریب نواز اور بندہ نواز میں صرف چار "واسطے" ہیں۔

اُدھر جو ہے وہی ضو پاش ادھر ہے
نمودِ خواجہؒ ہر سو جلوہ گر ہے
سمجھ کا دور ہو جائے اگر پھیر
تو گلبرگہ کو بھی تو سمجھے اجمیر
غرض "تنویرِ خواجہؒ" دیدنی ہے
جدھر دیکھو اسی کی روشنی ہے
نگاہِ عارف ان جلووں کی جویا
مری نظریں بھی خوش ان سے ہیں گویا
دکھاتا ہے یہ سلطانِ طریقت
مجازی شان میں شانِ حقیقت
نزول اچھا عروج اچھا ہے اس کا
سلوک اس شان سے کامل ہے کس کا
جو یہ شہباز ہو مائل بہ پرواز
کھلے تشبیہ سے تنزیہ کا راز
عیاں خواجہؒ کی ہے بندہ نوازی
نہیں کس کو امیدِ سرفرازی
سلیمانِ دکن عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ
فروغِ مدعائے آصفیتاں
مرے خواجہؒ کے رخ سے کاسبِ ضو
دکن افروز ہے خواجہؒ کا پرتو

سب رس مرقع دکن نمبر ۱۹۳۹ء

اللہ والا فلسفی

کیوں گزشتہ ساعتیں پھر مجھ کو تڑپانے لگیں
زندگی کی حسرتیں پھر دل میں گھبرانے لگیں

بن گیا پھر کیوں پریشاں کن یہ فانوسِ خیال
وحشتیں پھر کیوں مری تخیئل پر چھانے لگیں

انبساطِ زندگی کی خوش نما تنویر میں
موت کی سی صورتیں کیونکر نظر آنے لگیں

اٹھ گیا دنیا سے کوئی زندہ جاوید کیا
کیوں فنا کی بدلیاں دنیا پہ منڈلانے لگیں

رو رہا ہے کون یہ لے لے کے نام اقبال کا
کچھ لحاظ اس کو نہیں مجھ سے پریشاں حال کا

کیوں نہ مضطر ہوں نہیں ہے اے دوست بیجا اضطراب
اور پڑھنا چاہئے اس وقت میرا اضطراب

مجھ پر اپنا کر قیاس اے ہمنوا تو ہی بتا
آہ اطمینان حاصل ہے تجھے یا اضطراب

جانتے تھے اپنا رہبر ہم سبھی اقبالؔ کو
کیوں نہ ہوں پھر اس کی فرقت میں سراپا اضطراب

کیا خبر تھی یہ خبر اس درجہ ہوگی جانگسل
ہو گیا محتاجِ تدبیر آہ دل کا اضطراب

اطلاعِ رحلتِ اقبالؔ میں کیونکر سنوں
یہ خبر اچھی ہے نقیب جاہ پیغمبر سنوں

ملک وملت کا حقیقی رہنما جاتا رہا
آدمیت کا دلِ درد آشنا جاتا رہا

قوم کی بیداریوں کو ناز تھا جس فرد پر
آہ وہ فردِ یگانہ کیا ہوا جاتا رہا

کیوں نظر آتا نہیں وہ رہبروں کا راہبر
مدعی جو رہنمائی کا نہ تھا جاتا رہا

حاسۂ بیدار اس نے کر دیا کل قوم کا
جاذبِ مخلص دلِ حساس کا جاتا رہا

جو کشش اس کی قیادت میں تھی اوروں میں کہاں
آہ وہ حسنِ تخاطب اف وہ تاثیرِ بیاں

اس کی تعلیمات سے روشن ہوئے صدہا چراغ
تھا دل افروز کبارِ قوم وہ روشن چراغ

ہند میں رہ کر حجازی منزلیں کرتے ہیں طے
ہم نے کیسے اس رہبر سے پائے ہیں سراغ

فرق پر اس کے جنابِ قاسمِ کوثر کا ہاتھ
ہاتھ میں اس کے لئے عرفاں کا نورانی ایاغ

غم ربا اقبال کا ہر شعر عشرت ریز ہے
ہر پیام اس کا ہمارے واسطے گل ریز باغ

بھر دیا مقصود کے پھولوں سے دامن قوم کا
عطر افشاں ہے انہیں پھولوں سے مسکن قوم کا

ہو گیا شل اس کی زد سے مفسدوں کا دستِ کید
حسبتہً للّٰہ مٹایا اختلافِ عمر و زید

مستفید اس سے ہوا ہر فرد دیکھو تو سہی
کون ہے صیادِ خوشدل ہے کون ہے غمناک صید

قوم کو سمجھا دئے اس نے نکاتِ اتحاد
اسکی آزادانہ روِ نے توڑ دی فرقوں کی قید

اب ہے جس منزل میں وہ اللہ والا فلسفی
اس سے آئے منظور واقف ہیں سنائی و جنید

دے رہے ہیں گرچہ ظاہر میں صدائے الوداع
اس حیاتِ آثار سے تو کہہ بجائے الوداع

السلام اے رہنمائے ملک و ملت السلام
السلام اے پیرو ختمِ رسالت السلام

در ضیائے ملتِ بیضا لوا یش یافتی
السلام اے طلعت افروزِ قیادت السلام

آیتے بودی تو از آیات ایمان و یقیں
السلام اے اصغار حب فضل و کرامت السلام

جلوۂ تنظیم ملت می دہد ہر نظمِ تو
السلام اے اشاعِ خورشید سیرت السلام

بر سپہرِ مجد نامِ روشنت تابندہ باد
با ہزاراں جاہ و نعمت قومِ تو پایندہ باد

ہمایوں جون ۱۹۳۸ء

آہ وحید العصر!

ارے ظالم! یہ طرزِ وحشتناک
کس قدر نطق ہے ترا بے باک

دوستی کا بھی تجھ کو پاس نہیں
دوست اور دوست کیلئے سفاک

یک بیک تو نے کہہ دیا یہ کیا
ہو گئی سلب قوتِ ادراک

باندھا اقبالؔ نے بھی رختِ سفر
اف یہ انجامِ گردشِ افلاک

ٹھیر جا ٹھیر جا سنبھلنے دے
کچھ خیالات کو بدلنے دے

جب ہوئی ہوگی رحلتِ ہومر
اس کے ہمعصر ہوں گے سب مضطر

پا کے علم وفاتِ کالیداس
کیا تڑپتے نہ ہوں گے اہلِ نظر

ایک دن فرطِ غم میں سب انگریز　　کہہ رہے ہوں گے آہ شکسپیر
خبرِ انتقالِ فردوسی　　ہو گی اُس وقت کتنی "رنج اثر"

آج ہم کو کسی کا رنج نہیں
ان کے رتبے فقط ہیں ذہن نشیں

غمِ اقبال ہم کنار ہے آج　　یوں دلِ قوم بے قرار ہے آج
خوفِ ادبار ہو گیا طاری　　ناموافق جو روزگار ہے آج
اثرِ اقبال کا تھا عالم گیر　　دیکھئے جس کو اشکبار ہے آج
آنے والوں کو کیا خبر اس کی　　ملک کتنا جگر فگار ہے آج

ہم نے کی ہے زیارتِ اقبال
ہم کو ہے رنجِ رحلتِ اقبال

کیوں نہ ہو ایسے باخدا کا علم　　علم سے جس کے ہو وفا کا علم
اس کے چہرہ پہ اتقیا کا نور　　اس کے سینے میں اصفیا کا علم
سب اسے مانتے تھے علامہ　　واہ اقبالِ باصفا کا علم
نہیں واقف خدا نما سے ہم　　ہے اسی اک خودی نما کا علم

تھے کبھی ہم بھی بدحواسوں میں
اب ہیں شامل خودی شناسوں میں

سبق آموزِ ہمگناں اقبال　　دینِ فطرت کا ترجماں اقبال
امتزاجِ سیاست و مذہب　　جانتا تھا اصول داں اقبال
سب تھے جس کے خیال سے لرزاں　　کر چکا طے وہ ہفت خواں اقبال
کوئی اقبال پر کرے کیوں رشک　　یہ مقلد کہاں کہاں اقبال

ہے عیاں شانِ اجتہاد اس کی
کام کرتی ہے دل میں یاد اس کی

نظم کی حد میں شاہِ خود مختار　　نثر دیکھو تو منعمِ دربار
اس کے ذوقِ ادب پہ حسن فدا　　اس کے حسنِ بیاں پہ ذوق نثار
دلکش اس کی جانفزا باتیں　　حرزِ جاں اس کے دلنشیں اشعار
مل گیا اس سے فلسفہ کو عروج　　بڑھ گیا اس سے شاعری کا وقار

اپنا رہبر ہم اس کو مانتے ہیں
شاعرِ اعظم اس کو جانتے ہیں

رابطہ اس کو خاص و عام کے ساتھ　　تھا مگر خاص اہتمام کے ساتھ
حضرت اور مد ظلہ العالی　　سب ہی لکھتے تھے اس کے نام کے ساتھ
مرجعِ خاص و عام تھا اقبال　　اپنے جوش آفریں پیام کے ساتھ
خدمتِ قوم کر کے دنیا میں　　چل دیا آخر احترام کے ساتھ

خوش نصیب ایسے کم ہوئے پیدا
قوم کی قوم اس پہ تھی شیدا

مٹ گیا اپنی قوم پر آخر — اٹھ گیا چھوڑ کر اثر آخر
قوم کے درد سے تڑپتا تھا — سو گیا جاگ کر آخر
کر دیا ہم کو باخبر لیکن — ہو گیا ہم سے بے خبر آخر
لطفِ ختم رسل کے دامن میں — چھپ گیا یہ پیامبر آخر

اپنا قومی پیامبر نہ رہا
قوم تھی جس سے معتبر نہ رہا

ادبی دنیا مئی ۱۹۳۸ء

ایک مصلحِ قوم کا ماتم

یادِ علامہ راشد الخیری — کیوں نہ لے دل میں چٹکیاں پیہم
آہ جو بھولنے کی چیز نہیں — دل ہے اس کو بھلائیں کیونکر ہم
وہ کمالات وہ شعورِ نگاہ — وہ خیالات وہ ثباتِ قدم
قابلِ داد ان کا حسنِ بیاں — لائقِ دید ان کا زورِ قلم
با اثر ان کا مدعائے حسیں — کارگر ان کی کوششِ پیہم
ان کا مقصود قوم کی اصلاح — ان کا ہمدم بناتِ قوم کا غم
رازِ خیر الامور اوسطہا — ان کے ذوقِ عمل سے تھا توام
جو تصانیف انھوں نے چھوڑی ہیں — قدر جتنی بھی ان کی ہو ہے کم

لے حفاظت میں اپنی آج اے قوم
یہ متاعِ دلِ مصورِ غم

۱۹۳۶ء

ساقی ستمبر ۱۹۳۶ء

دریغا کہ عہد جوانی گزشت

انقلابِ دوراں پر اشکِ خوں بہانا ہے
کام کا یہ رونا ہی کام کا رلانا ہے

سچ ہے فکرِ مستقبل ایک تازیانہ ہے
حدِ شیب میں آخر تم کو بھی تو آنا ہے

دوستو! ادھر آؤ دردِ دل سنانا ہے

بے وفا جوانی کا یاد کچھ فسانہ ہے
وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے

جاذبِ دل و دیدہ اف وہ چال مستانہ
لغزشِ ضعیفی ہے جس کا طرز بیگانہ

وہ شباب کی مستی وہ ادائے رندانہ
وہ سرور خیز آنکھیں ذوق بخش میخانہ

اب کہاں وہ مئے خانہ اب کہاں وہ پیمانہ

عبرت آفریں کتنا آہ یہ فسانہ ہے
وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے

انقلاب اثر ڈالے جس کی شادمانی پر
کیوں نہ اس کا دل مائل ہوگا نوحہ خوانی پر

حادثوں کی آندھی یوں آئے زندگانی پر
اب بھی میں نہ ہوں گریاں اپنی خستہ جانی پر

ماتم اے ضعیفی کر رحلتِ جوانی پر

رحلتِ جوانی کا نوحہ اب سنانا ہے
وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے

وہ مئے محبت کے جام پے بہ پے پینا
نشہ وہ جوانی کا بے سبو چہ و مینا

وہ بھرے بھرے بازو وہ ابھرا ابھرا سینہ
خود کبھی میں کرتا تھا طے عروج کا زینہ

مشکل اب نقاہت کی وجہ سے ہوا جینا

اس فتادگی کا بھی کیا کوئی ٹھکانا ہے ‏ ‏ ‏ وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے

اس شکستہ حالی میں کیا ہو خواہش تزئیں ‏ ‏ ‏ رخصتِ جوانی نے کر دیا مجھے غمگیں

رعشہ دار ہاتھوں پر جتنی جھریاں دیکھیں ‏ ‏ ‏ دل پہ برچھیاں ہیں آہ اتنی ہی کھائیں

کیونکر اب نظر آئے مجھ کو صورتِ تسکیں

پیر ہوں جوانی کا بارِ غم اٹھانا ہے ‏ ‏ ‏ وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے

ادبی دنیا اگست ۱۹۳۴ء

نظام العمل

حیرت سے نہ تو صرف ہر اک راہ گذر دیکھ ‏ ‏ ‏ کچھ عمرِ رواں کا بھی تو اندازِ سفر دیکھ

طفلی و جوانی کے طربناک نظارے ‏ ‏ ‏ آغاز کہولت میں بآئینِ دگر دیکھ

بے وجہ مچلنا تجھے یاد آئے گا اپنا ‏ ‏ ‏ بچوں کی شرارت پہ اب اغماض نہ کر دیکھ

وہ "سادہ شرارت" بھی ہے اب یاد کہ جب لوگ ‏ ‏ ‏ آئینہ دکھا کر تجھے کہتے تھے ادھر دیکھ

کچھ فلسفۂ ضد سمجھ اس خندہ جبیں سے ‏ ‏ ‏ نا واقفِ غم طفل کو با دیدۂ تر دیکھ

جس پیار سے بچوں کو تو اب دیکھ رہا ہے ‏ ‏ ‏ تجھکو بھی یونہیں دیکھتے تھے مام و پدر دیکھ

کیا حال تھا جب ہستی تکمیل طلب کا ‏ ‏ ‏ ہے آج تری ذات میں کیا فضل و ہنر دیکھ

کر یاد لڑکپن کو وہ تھا دورِ سعادت — یہ عہدِ رشادت ہے جوانی کا اثر دیکھ
بدلیں تری شانیں مگر اب بھی ہو وہی تو — دنیائے عوارض کو یونہیں زیر و زبر دیکھ
اک حال پہ قائم نہ رہا کوئی زمانہ — ہونے کو ہے اب شام جوانی کی سحر دیکھ
دیکھ آمد و آورد کا دلچسپ تقابل — کرتا ہے شعور اب ترا کس طرح بسر دیکھ
تغیرِ فصول اپنے لئے عیش فزا جان — جو رنگ بھی ہو جائے ترے پیشِ نظر دیکھ
کچھ آنِ شباب اس میں نظر آئے گی تجھ کو — یہ عہدِ گذشتہ کی ہی تصویر ادھر دیکھ!
فرسودہ ہوا سب تری تزئین کا سامان — دیکھا تو نہ جائے گا یہ سامان مگر دیکھ
چھوڑ آیا ہے کس بزم میں تو کیفِ نگہ کو — کس حال میں ہے آج ترا ذوقِ نظر دیکھ
فطرت کی رفاقت میں بدلتے ہیں یونہی رنگ — الزامِ تلون کا کسی پر بھی نہ دھر، دیکھ
ہر دم کوئی انسان نہ رنجور نہ مسرور — گلپاش کبھی دیکھ کبھی خاک بسر دیکھ
تن تن کے جو چلتے ہیں وہ سب ہیں ترے پیرو — تیری بھی یہی چال تھی اب شک نہ کر دیکھ
دیکھی انہیں بھی سست روی گردشِ دوراں — تجھ کو ہے ٹھہرنا اسی منزل پہ ٹھہر دیکھ
تعبیر ترا حال ہے خود پوچھ نہ تعبیر — دیکھے ہوئے بھی خواب جو پھر آئیں نظر دیکھ
اعجازِ تفکر سے ہیں آگاہ مراقب — بنتا ہی جہاں ہیں تو جدھر دل ہو ادھر دیکھ
ہو درسِ عمل تیرے لئے ماضیٔ خوش حال — اسلاف کو اسلاف کے ہی مرتبہ پر دیکھ
حال اپنا سناتے ہیں وہ اصحابِ ہدا سن — نشاں ان کی دکھاتے ہیں یہ اربابِ سیر دیکھ

سرخی سے شہادت کی جو خوش رنگ بنا ہے
میں تجھ کو دکھاتا ہوں وہ "فرمان" ادھر دیکھ

العزت اللہ کا جس سے ہے عیاں راز
سلطانِ شہادت کا وہ طغرائے ظفر دیکھ

آباد شہنشاہِ دو عالم کا ہے گھر دیکھ
اس گھر میں ہی شبیرؑ کا کس درجہ اثر دیکھ

آقائے رسالتؐ کو خیال ان کا ہے کیوں سوچ
مولائے ولایتؑ کی ہے کیوں ان پر نظر دیکھ

سلطانہ کونینؑ کی جاں کون ہے کر غور
کس ماہ کی رونق ہے ادھر اور ادھر دیکھ

واللہ محمدؐ ہوں کہ حیدرؑ ہوں کہ زہراؑ
شبیرؑ ہیں ان سب کے لئے نورِ نظر دیکھ

شبرؑ کے سوا کون ہے ہم پایۂ شبیرؑ
تو رتبہ شہزادۂ فرخندہ سیر دیکھ

شبیرؑ بھی ہیں وارثِ اوصافِ محمدؐ
ان کو بھی محمدؐ کی طرح دافعِ شر دیکھ

حضرتؐ کا تصور بھی ہوا ماحیِ بدعت
اس نخلِ ہدایت کو سدا تازہ و تر دیکھ

دل جس کے تصور سے بہلتا تھا کسی وقت
وہ جلوہ نظر آنے لگا آٹھ پہر دیکھ

کیا مرکزِ انوار سے آگاہ نہیں تو
جاتے ہیں بلا ناغہ کدھر شمس و قمر دیکھ

روشن مرا احساسِ شریعت ہوا جس سے
وہ جلوہ گہہ خاص بھی اے طور نگر دیکھ

عرفانِ حقیقی پہ جھکا جاتا ہے دل خود
فرزند علیؑ کی نظرِ فیض اثر دیکھ

کہتے ہیں انہیں خوش نظر ایمانِ مجسم
عرشِ دلِ مومن میں بھی ہے ان کا گذر دیکھ

ہے دیدۂ حق بیں کی جلا اسوۂ شبیر
ہاں اسوۂ شبیر کو پھر ایک نظر دیکھ

لے اسوۂ شبیرؑ سے معیارِ صداقت
ہر سو نظر آئیں گے تجھے شعبدہ گر دیکھ

تبلیغِ صداقت کے مناظر ہیں یہیں آ / حضرت ہی خلاصہ ہیں حقائق کا ادھر دیکھ
ہے امنِ سلطانِ رسلؐ کا یہی ملجا / حاضر درِ اقدس پہ کروڑوں ہیں بشر دیکھ
ہے رازِ حیاتِ ابدی جن پہ ہویدا / ان سب پہ امام الشہداؑ کا ہے اثر دیکھ
حضرت ہی پہ قربان ہر اک نیک سیر آج / حضرت ہی کا دشمن ہی ہر اک بانیٔ شر دیکھ
معراجِ نبیؐ کا تو عیاں راز ہے لیکن / کیوں نوکِ سناں پر ہی نبیؐ زادہ کا سر دیکھ
وحشت نہ ہو کیوں دشتِ بلا پیشِ نظر ہے / تھا جو کبھی آباد اجڑتا ہے وہ گھر دیکھ
ہوتے تھے صنادیدِ عرب جس سے سرفراز / اس ایک قبیلے کے ہیں اٹھارہ یہ سر دیکھ
سر پردہ لگا زخم کہ بند آنکھیں ہیں خوں سے / کس رنگ میں شبیرؑ کا ہے لختِ جگر دیکھ
اصغرؑ سا مجاہد کہیں دیکھا ہو تو دکھلا / شامل ہی شہیدوں میں یہ ششماہہ پسر دیکھ
ہونے کو ہی پھر معرکۂ باطل و حق سن / حق کا ہے پرستار تو باطل سے نہ ڈر دیکھ
صورت ہیں عدو کی ملک الموت نہیں ہے / دیکھ اس کی طرف دیکھ بلا خوف و خطر دیکھ
دشمن ہے اگر رزم طلب کھینچ لے شمشیر / کرنے کا ہی یہ کام بھی ہاں اس کو بھی کر دیکھ
پڑھنے کی طرح سے جو پڑھے گا کلمہ تو / جنگاہ میں بھی تجھ کو نہ پہنچے گا ضرر دیکھ
حضرت پہ فدا ہو کے نمازیں نہ قضا کر / حضرت کا دمِ قتل بھی تھا سجدہ میں سر دیکھ
کر دے جو زکوٰۃ آئینۂ دل نرا روشن / تو وقت پہ اشکوں کے بھی ضوریز گہر دیکھ
یوں روزہ نہ کھا بھوک اگر یاد ہے ان کی / صبرِ رفقائے شہہ تفتیدہ جگر دیکھ
کر حج کہ یہ اب سہل ہی اے تابعِ شبیرؑ / تو چشمِ بصیرت سے شہہ دیں کا سفر دیکھ
ہے تجھ کو بنانا جو نظام العمل اپنا / منظور ابھی اعمالِ شہہ جن و بشر دیکھ

خلیق۔ ماہ صفر ۱۳۵۸ھ

شبِ مہتاب میں یادِ ماضی

بھول گیا میں سیرِ جہانِ حسن کے سب آداب ختم کرائے شمعِ سحری تعریفِ شبِ مہتاب
نذرِ سکوں بے عملی ہے شوقِ دلِ بیتاب ذوقِ طرب نایاب
میرے لئے اب دورِ گزشتہ خواب ہے بالکل خواب ہے بالکل خواب

آہ مگر ہے کون سہی قد جس سے میں دل بہلاؤں چاندنی میں ہے اب بھی میسر سروِ چمن کی چھاؤں
لطفِ جوانی کی راتوں کا آج کہاں سے لاؤں آہ کدھر کو جاؤں
میرے لئے اب دورِ گزشتہ خواب ہے بالکل خواب ہی بالکل خواب

اب تو شعورِ زندگی بے کیف ہی وجہ ننگ حسنِ شبِ مہتاب کبھی تھا جامِ مئے گلرنگ
آہ کہاں وہ حورِ قمروش ہمدم ہم آہنگ زیست سے ہوں میں تنگ
میرے لئے اب دورِ گزشتہ خواب ہی بالکل خواب ہی بالکل خواب

کچھ بھی نہیں معلوم مجھے گو سیر میں ہوں مشغول چاندنی کیسی، باغ ہے کس کا آہ کہاں کے پھول
تذکرۂ افسردہ دلی کو دے نہیں سکتا طول آہ یہ میری بھول
میرے لئے اب دورِ گزشتہ خواب ہی بالکل خواب ہے بالکل خواب

شاہ جہانِ حسن کے باعث ہے یہ جہاں پُر نور ماہِ منور ہی کی تجلی دیکھ قریب و دور
ایسے بھی جلووں سے نہیں لیتا نور دلِ رنجور دیکھ لیا منظور!
میرے لئے اب دورِ گزشتہ خواب ہے بالکل خواب ہے بالکل خواب

سُرورِ مئے عرفاں

مئے ولا کبھی خرابات ہی میں پی میں نے
نہ کی کبھی ہوس "جنگ زرگری" میں نے

مناقشات سے اب تک کبھی نہ رکھا کام
بڑے مزے میں گزاری ہے زندگی میں نے

مکابرات کے آثار جب نظر آئے
نگاہ ساقیِ مہوش کی دیکھ لی میں نے

بھلا دیئے ہیں وہ بے جا مظاہراتِ غرور
کہا تھا جن کو کسی وقت "واجبی" میں نے

"خودی پرست" بہت فائدہ اٹھائیں گے
بتا دیئے ہیں کچھ اسرارِ بے خودی میں نے

فریب خوردۂ آثار نے کہا مجھے مست
کہ "دیدنی" کو بھی جانا "شنیدنی" میں نے

دقیقہ رس مجھے خوش فہم فلسفی نے کہا
کہ اس کو دی ہے نہیں دادِ سخن رسی میں نے

خلوصِ نیت و حسنِ سلوک و لطفِ خیال
یہاں نہ پائی کسی چیز کی کمی میں نے

کسی نے میری برائی کبھی نہیں چاہی
کسی کے حق میں برائی کبھی نہ کی میں نے

معاملات کو دلچسپ استعاروں میں
کیا ہے پیش بہ عنوانِ میکشی میں نے

ساقی - فروری ۱۹۳۷ء

مسرّتِ دلخواہ

بشاش مجھے ہر اک چہرا نظر آتا ہے
دل جس سے ہو خوش ایسا جلوا نظر آتا ہے

جمعیت خاطر کے آثار ہویدا ہیں
بکھرا ہو شیرازہ یک جا نظر آتا ہے

شیخی ہے نہ پیری ہے اس دورِ فطانت میں
خودداریٔ پیشیں کا جلوہ نظر آتا ہے

دجال نظر انساں کیا اس کو جگائیں گے
جو فتنۂ خوابیدہ مردہ نظر آتا ہے

تہذیبِ جماعت کا ہم سمجھے ہیں جب سے گر
ہر بانیٔ شر دیکھو تنہا نظر آتا ہے

ارمان قیادت کے دل میں کوئی کیوں پالے
سامانِ قیادت کیا سمٹا نظر آتا ہے

جو شخص سمجھتا تھا اک پیشہ ہے دینداری
فی الحال وہی ہم میں بھوکا نظر آتا ہے

غیروں کے بھروسے پر جینا جو رہا کل تک
آساں اب اسے اپنا مرنا نظر آتا ہے

تفریق کی بنیادیں ہلتی نظر آتی ہیں
پھر غنچۂ دل اپنا کھلتا نظر آتا ہے

جھگڑے جو فروعی تھے طے خود ہوئے جاتے ہیں
مذہب وہی پھر سیدھا سادھا نظر آتا ہے

ق

ہم جن کے مصنف کو خود کام سمجھتے ہیں
کیوں ایسی کتابوں کا تودا نظر آتا ہے

پانی میں بہا ڈالو یا اس کو جلا ڈالو
یہ دفترِ شور افزا جس جا نظر آتا ہے

سب مٹ گئے کافر گر ہر عاقل و فرزانہ
توحید و رسالت کا شیدا نظر آتا ہے

اب اجرِ رسالت کا احساس نہیں کس کو
ہر دل میں مودت کا چسکا نظر آتا ہے

ہاں سارے اصولِ دیں فطرت کے موافق ہیں
جو رکن ہے مذہب کا اچھا نظر آتا ہے

پھر متحد اسلامی فرقے نظر آتے ہیں
مٹتا ہوا اب ہر اک جھگڑا نظر آتا ہے

بے تفرقہ مشرب مامن ہے وہی سب کا
تسکین دلِ مسلم کعبہ نظر آتا ہے

اب خضر نما رہزن دھوکا نہیں دے سکتے
منزل نظر آتی ہے رستا نظر آتا ہے

انوارِ رسالت کا کس دل پہ نہیں پرتو
ہر سر پہ محمدؐ کا سایہ نظر آتا ہے

مسلم تو نمونہ ہے تعلیم محمدؐ کا
اغیار کا ہر شکوہ بے جا نظر آتا ہے

اسلام سے وہ بالکل واقف نہیں مجھ کو تو
آنکھوں پہ شریروں کی پردا نظر آتا ہے

جھوٹا کوئی ثابت ہو ہم ہیں یہ ہی ناممکن
ہر فرد اس امت کا سچا نظر آتا ہے

تعلیم محمدؐ ہے کندہ دلِ مسلم پر
جاں بخش اثر ایسا کس کا نظر آتا ہے

تعریف محمدؐ کی ہے سب کے لئے دلکش
توصیف کا ہر پہلو اچھا نظر آتا ہے

کافر نظر آتے ہیں تحقیق پہ آمادہ
بیگانہ بھی اب مجھ کو اپنا نظر آتا ہے

مولا ہے وہی میرا آقا ہے وہی میرا
ہر اک سے نشاں جس کا اونچا نظر آتا ہے

عکسِ رخِ انور ہے یہ چاند جو ہم سب کو
جھرمٹ میں ستاروں کے ہنستا نظر آتا ہے

سرکارؐ کی یکتائی کیا اس سے نہیں ظاہر
یہ مہر جو ہم سب کو تنہا نظر آتا ہے

حضرتؐ کے غلاموں کی صورت کہیں چھپتی ہے
یہ رنگِ وفا کتنا پیارا نظر آتا ہے

وہ پاک ضمیرِ انسان جو قطب ہے اس کو بھی — حضرتؐ کے شمائل کا جلوا نظر آتا ہے

عمال شریعت کے محکوم ہیں سب آمر — سلطانِ شریعتؐ کا رتبہ نظر آتا ہے

جو بندہ بھی ہے ان کا خواجہ ہی مرے حق میں — ہر خواجہ مجھے ان کا بندہ نظر آتا ہے

ہر شانِ محمدؐ کی ہر آن ہوئی ظاہر — ہیں ہند میں ہوں مجھ کو طیبہ نظر آتا ہے

سونا ہو نگیں جس دھن میں اٹھتا ہوا اسی دھن میں — ہر وقت وہی دلکش نقشا نظر آتا ہے

یہ سیدہ کا گھر ہے وہ مسجدِ شاہِ دیں — اللہ تصور میں کیا کیا نظر آتا ہے

سرکارؐ کے روضہ کی شمعیں نظر آتی ہیں — جالی نظر آتی ہے قبہ نظر آتا ہے

یثرب کی طرح بطحیٰ۔ بطحیٰ کی طرح یثرب — ہر ایک مسلماں کا ملجا نظر آتا ہے

دل عرش کہیں جس کو واللہ اسی دل پر — سلطانِ دو عالمؐ کا قبضہ نظر آتا ہے

کیوں نعتِ نبیؐ لکھ کر نازاں نہ وہ ہو دل میں — جس شخص کو یہ اپنا حصہ نظر آتا ہے

منظور بھی مسلم ہے خوش کیوں نہ ہو اس کا دل
آج اس کو ہر اک مسلم ہنستا نظر آتا ہے

خلیق - ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

اپنا راگ گائے جا

شیخ! یونہی آئے جا
شور و غل مچائے جا
شان بھی دکھائے جا
وعظ بھی سنائے جا
کچھ اثر ہو یا نہ ہو جان سب کی کھائے جا
اپنا راگ گائے جا

ڈال ہم میں پھوٹ تو
بعد اس کے لوٹ تو
قوم کو ذلیل کر
بات بے دلیل کر
پست اپنی قوم کو اور بھی بنائے جا
اپنا راگ گائے جا

تو صلواۃ و صوم میں
فرد ساری قوم میں

اپنے اعتبار کو
شان کو وقار کو
جس طرح بھی ہو سکے قوم میں بڑھائے جا
اپنا راگ گائے جا

شیخ تیرا نام ہے
"پند" تیرا کام ہے
اپنے احترام سے
رعب دار نام سے
کام لے ہر اک طرف دوسروں پہ چھائے جا
اپنا راگ گائے جا

تیرے کشتۂ جفا
ہیں جہاں میں جا بجا
رازِ قتل فاش کر
کر انہیں تلاش کر
اپنے بسملوں کی صف کو بہ کو جمائے جا
اپنا راگ گائے جا

خانقاہِ پیر سے
محفلِ امیر سے
دور دُور تو نہ رہ
رنگ تیرا جس جگہ
جس طرح بھی جم سکے شوق سے جمائے جا
اپنا راگ گائے جا
شیخِ پُرغرور آ
شیخِ ناصبور آ
بن زباں دراز تو
کر زباں پہ ناز تو
تجھ سے جو ملے اسے گالیاں سنائے جا
اپنا راگ گائے جا

المصدق صفر المظفر ۱۳۵۰ھ

سود مند باتیں

برا جو اے شیخ ! تو نہ مانے تو پیش کر دوں میں چند باتیں
مفید تیرے لئے بھی ہوں گی ہمیشہ یہ سود مند باتیں

رہیں تری خانقاہ میں وہ نہیں پرکھ جن کو نیک و بد کی
کبھی کسی ذی شعور کی بھی ارے میاں تو نے کچھ مدد کی

مرید اخصّ الخواص وہ ہے جو تیرے قدموں پہ سر جھکا دے
جو میں سلامٌ علیک کہہ دوں تو میرے اچھے نہیں ارادے

ترا شعار اے فقیر رسمی نقیض شرعِ شریف کا ہے
مزاج میں اس قدر تلوّن کہ تجھ پہ دھوکا ظریف کا ہے

کبھی ہوا ارکانِ دیں پہ خنداں کبھی فقیروں کا سانگ لائے
کہیں سے ساماں کچھ اچک لے کہیں سے کچھ چیز مانگ لائے

قسم خدا کی خدا کے مذہب سے واسطہ ہی تجھے نہیں ہے
کسی کی میں کیوں کروں وکالت مجھے تو اس بات کا یقیں ہے

کئی حسینوں سے بہرہ ور ہے اشارتاً تیری خوش نگاہی
کنایتاً کیا ترے یہ جلسے نہ دیں گے اس بات کی گواہی

وہ چاند محجوب ماہ جس سے بصد ادا بے حجاب حاضر
گلاب بھی جس کے گال سے ہو خجل وہ مستِ شباب حاضر

مغنیہ کی نمود جائز قمر وشوں کا شہود جائز
سماع جائز سرود جائز سماع میں بھی سرود جائز

یہ "شیخ اکبر" معاف رکھیں جو ہم بھی اک بت کو اپنا دل دیں
کہاں فتوحاتِ مکیہ اب کہاں فصوص الحکم کی جلدیں

ہند۔ کلکتہ ۱۹۳۶ء

مشاہدہ

اک پیرجی نے ہو کر منبر پہ جلوہ آرا
فرمایا گوشِ دل سے سننا بیاں ہمارا
ہم نے تمہاری خاطر تکلیف کی گوارا
ایک رند نے یہ سن کر بے ساختہ پکارا

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

مطلب سے کب ہیں خالی یہ میٹھی میٹھی باتیں
بے وجہ کٹ رہی ہیں آنکھوں میں کب یہ راتیں
حضرت سے کوئی سیکھے زر کھینچنے کی گھاتیں
ہر بات میں ہے ان کی خیرات کا اشارا

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

اہلِ کرم سے اکثر ہے رسم و راہ ان کی
دلواتی ہے انھیں زر لوگوں سے چاہ ان کی
ہے بیکسوں کا مامن اب خانقاہ ان کی
بے سود کب کسی کا بنتے ہیں یہ سہارا

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

لیتے ہیں ہاتھ میں دل قصے سنا سنا کر
بنتے ہیں خود تونگر سب کو گدا بنا کر
دل مطمئن ہے ان کا نوکر ہیں اور نہ چاکر
واعظ ہیں چین سے ہو ان کا نہ کیوں گذارا

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

کیوں ہوں خفا نہ ہم پر یہ صاحبِ فضیلت
ہم ہندیوں میں ان کی قائم کہاں وہ عزت
جب دیکھتے تھے ان کی پابندیٔ شریعت
ہاتھ ان کا چومتے تھے اٹھ کر شہ بخارا

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

حد سے گذر گیا جب وہ رند لااُبالی
خود پیرجی نے لاٹھی باضابطہ سنبھالی
دم بھر میں ہو گئی جا لوگوں سے پھر تو خالی
کہنے لگا ہر انساں کر کر کے یہ نظارا

المصدق جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

ترکی بہ ترکی

پہلواں ایک تھا جس کے سر پر گھڑا
ہو گیا سامنے میرے آ کر کھڑا
بعد ازیں مجھ سے خود ہی یہ کہہ کر لڑا
میں ہوں کڑیل جواں دل ہی میرا کڑا
ہو گیا سوکھ کر جسم تیرا پھڑا
ناز پر اس کے مجھ کو یہ کہنا پڑا
کوئی تو لوں بڑا کوئی مو لوں بڑا

پہلواں جب گیا، آ گئے شیخ جی
وہ قبا! وہ عبا! اور وہ فربہی!!
کر کے تعریف اپنے تن و توش کی
جب انہوں نے کہا یہ تری لاغری
میں نے الفیل جیفہ کی پھبتی کہی
غیظ پر ان کے پھر مجھ کو کہنا پڑا
کوئی تو لوں بڑا کوئی مو لوں بڑا

شیخ جی جب گئے واعظِ سحر فن
مجھ سے بولے کہ اچھے نہیں یہ چلن
ہیں تری وجہ سے ہم پہ سب خندہ زن
اہلِ دیں کے مواجہہ میں ہرگز نہ تن
تو ہے مورِ ضعیف اور ہم "پیل تن"
ان کی دھمکیاں سن کے کہنا پڑا
کوئی تو لوں بڑا کوئی مو لوں بڑا

فطرتاً خیرہ سر ہوتے ہیں پہلواں
پہلواں کی روش پر ہیں نالاں کہاں؟
درخورِ گریہ واعظ کی ہیں دھمکیاں
شیخ کا یہ چلن! الاماں!! الاماں!!!

آئینۂ عبرت

اے بھائی! میں ہوں شیخ مرا مرتبہ سمجھ — میری ہر ایک بات کو وحیِ خدا سمجھ
بیجا بھی میں کہوں تو اسے تو بجا سمجھ — مجھ سے خطا بھی ہو تو مجھے بے خطا سمجھ
میں اپنی شان خود تجھے سمجھاؤں گا سمجھ

اونچا مرا نشان مری شان ہی رفیع — وہ کون ہے مجھے جو سمجھتا نہیں وقیع
حلقہ ہے میرے معتقدوں کا بہت وسیع — مفتی مرا مرید ہے قاضی مرا مطیع
رتبہ مرا جہان میں سب سے سوا سمجھ

ہوں جس جگہ بھی میری فضیلت کے تذکرے — تو میرا نام پاک بہت ہی ادب سے لے
میرے عدو کو کلہ بہ کلہ جواب دے — مشہور خوش عقیدہ جو ہونا ہی ہو تجھے
سمجھے برا جو مجھ کو اسے تو برا سمجھ

مطلب نہیں مجھے امرائے کرام سے — لیتا ہوں نذر میں غربا اور عوام سے
یہ روپیہ جو بنک میں ہے میرے نام سے — بالکل بری ہے بحثِ حلال و حرام سے
حق اس کو میری مسندِ ارشاد کا سمجھ

بیٹھا ہوا ہوں آج میں کس کے مقام پر — اس کی بھی کیا نہیں تجھے اے بے خبر خبر
ہو جائے میرا راز کسی روز فاش اگر — مجھ کو نہ دیکھ میرے سلف کا خیال کر

ان کا خلف سمجھ کے مجھے پارسا سمجھ

چوکھٹ کو میری دیکھ، نہ دیکھ آسمان کو — کعبہ سے کم نہ جان تو میرے مکان کو
آیت سے کم نہ مان تو میرے بیان کو — سن! میں ہوں تیرا شیخ سمجھ میری شان کو

کہتا ہے تجھ سے کون خدا کو خدا سمجھ

دریا کی طرح شیخ تو بہتا رہا اِدہر — چپکے کھڑا ہوا تھا اُدہر ایک باخبر
خطبہ کو اپنے جب نہ کیا اس نے مختصر — کہنے لگا وہ بڑھ کے بس اے شیخ بدسیر!

بات اب نہ کر زیادہ مرا مدعا سمجھ

تعلیم اس غریب کو جب تو ہی ایسی دے — یہ مشرکانہ رنگ نہ لائے تو کیا کرے
ہو کر اثر پذیر تری بات بات سے — تجھ کو خدا کہے کہ خدا سے جدا کہے

عیار تو ہے اور یہ بے چارا نا سمجھ

تیرے لئے نہیں یہ ترے کام کچھ مفید — کرنے لگے ہیں تجھ کو جو سجدے ترے مرید
ہو گی جو تیرے ہاتھ میں فردوس کی کلید — پیدا جہاں میں ہوں گے ہزاروں نئے یزید

بہر خدا حقیقتِ دینِ خدا سمجھ

کچھ بھی نہیں ہے دولت و شہرت سے فائدہ — ہو گا تجھے قناعت و عزلت سے فائدہ
حاصل کر اتباعِ شریعت سے فائدہ — صوفی نہیں اٹھائے جو بدعت سے فائدہ

شیخ ہمہ داں سے خطاب

افسوس تری ہم نے کچھ قدر نہ پہچانی
ہی تجھ کو خودی میں بھی دعوائے خدادانی
اے شیخ! کئے جا تو آپ اپنی ثنا خوانی

ظاہر ترے چہرہ سے خود تیر اندبر ہے
تیری ہمہ دانی پر دنیا کو تحیر ہے
"اردن" ترے آگے ہے آئینۂ حیرانی

تشویش ہی نہرو کو حیرت زدہ گاندھی ہی
تو نے جو ہوا اپنی اس دور میں باندھی ہے
گلزار سیاست میں کر یونہی گل افشانی

اے شیخ! ترے آگے کیا رنگ مراجمتا
تقریر میں تو یکتا تحریر میں بے ہمتا
لائی تری محفل میں مجھ کو مری نادانی

ذی علم کوئی تجھ کو ملتا نہیں لبنی ہیں
جب دون کی لیتا ہے تو عالم منتی ہیں
فاضل ترے آگے ہیں اطفالِ دبستانی

جو بات مدیروں کی دانست میں مشکل ہے
اسرارِ صحافت کا گنجینہ ترا دل ہے
تجھ کو نظر آتی ہے اس بات میں آسانی

کام ایسا نظابر سے تو دقت پہ لیتا ہی
لوگوں کو لڑاتا ہے خود مشورے دیتا ہی

جس سے وکلا کو بھی ہوتی ہے پریشانی

تو شہر میں جب نکلا تسبیح بکف نکلا — ساتھ اپنے مریدوں کے باعز و شرف نکلا

کیا شوکتِ دینی ہے!! دنیا ہوئی دیوانی

ارشاد کی مسند ہے تیرے لئے دنیا میں — اے شیخ ترا دامن سب لوگ لیں کیوں نہ تھا میں

باقی تری ہستی سے ہے قوتِ ایمانی

قاضی کی جو حاجت ہو قاضی کی عبا پہنے — مفتی کی ضرورت پر مفتی کی قبا پہنے

واعظ ہی نہیں ہے تو اے جانِ مسلمانی

دشمن ترا آپ اپنی تخریب کے درپے ہے — احباب ترے اس کو چھوڑیں گے یونہیں تا کے

کھینچے گا کسی دن وہ خمیازۂ نادانی

تیری ہمہ دانی پر جو لوگ نہیں نازاں — وہ جانتے ہیں تجھ کو سر کردۂ شر بازاں

پاس ان کے مسلم ہے تیری شرر افشانی

اے شیخ! یہ کہہ دیں گے اک دن تری مجلس میں — پُر امن وہ مجلس ہے حاضر نہیں تو جس میں

وہ انجمن اچھی ہے تو جس کا نہیں بانی

تو زینۂ منبر پر نازاں نہ ہو یوں چڑھ کر — بے شبہ ترے ممبران سے بھی ہیں کچھ بڑھ کر

جو طالبِ سیم و زر قارون میں ہیں فانی

"ہند" کلکتہ غالباً ۱۹۳۶ء

واعظ سے خطاب

احباب کو آپس میں لڑانا نہیں آساں   ہے اس کا طریقہ
لیکن تجھے مشکل نہیں اے واعظِ ذی شاں   یہ تیرا سلیقہ!

اس فن میں نہیں کوئی ترا مدِ مقابل   عالم ہو کہ جاہل
لڑنے کے لئے سب تری سرکار سے حاصل   کرتے ہیں وثیقہ

کیا جدتِ امروزہ سے تجھ کو نہیں چشمک   پتھر کی یہ عینک!
نازاں ترے اندازِ قدامت پہ ہیں بے شک   آثارِ عتیقہ!

اسلوبِ بیاں تیرا بدل ہی نہ سکے گا   مغلق ہی رہے گا
تو خط کو نمیقہ نہ کہے گا تو کہے گا!   گلشن کو حدیقہ

لوگوں کو لڑانے کا نہیں ہے جو ارادہ   منبر سے اتر آ
داعی سے یہ کہہ دے کہ سر اٹھنے نہیں دیتا   ہے دردِ شقیقہ

کامراں فروری ۱۹۳۶ء

ایک تقلیدی سوال

وہ برکتیں جو نئی روشنی میں آئیں نظر — مہاتما کو ہے کیوں ان سے کد خدا جانے
میں انکی چال سمجھنے لگا ہوں اب اے دوست — مدبر آج وہی ہے جو ان کو پہچانے
کچھ اہلِ علم یہاں مادہ پرست بھی ہیں — روایتاً مئے عرفاں کے بھی ہیں مستانے
"دیارِ سوز" ابھی ویراں ہوا نہیں بالکل — کہ "شمعِ مردہ" کے زندہ ہیں اب بھی پروانے
ہے ان کی "شعلہ فشانی" میں صلح کا پیغام — عجیب چیز ہیں یہ ہوشیار دیوانے
نہ کوٹ سے غرض ان کو نہ شیروانی سے — لباس کے لئے درکار ہیں یہ چند آنے
مفیدِ قوم ہے تقلیدِ رفتگاں بے شک — برا وہ خود ہے جو تقلید کو برا جانے
مگر یہ شرط نہیں ہے کہ ہو وہی جو تھی — نویں صدی میں جو پہنی تھی انکے دادا نے
ہے اتباعِ سلف ہی اگر مدارِ حیات — تو بے نیازِ حیا کیوں ہیں یہ فرزانے
وہ گرد پوشِ سلف تھے جو زیبِ عہدِ عتیق — بھلا دیا انہیں کیوں میرے ان احبا نے

ساقی ستمبر ۱۹۳۷ء

ان غزلوں کی بعض زمینیں خود میں نے نکالی ہیں اور بعض
پامال زمینیں اپنے احباب خوش سیر کی خاطر قبول کی ہیں
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے ان دوستوں کو
"مشاعرہ کرانے کا شوق تو بے حد ہے مگر نئی زمینیں نکالنا
ان کے بس کی بات نہیں، کسی مشہور شاعر کی مشہور غزل کا
مصرع بغرض "طبع آزمائی" پیش کر دیتے ہیں۔ جو لوگ
اپنی طبیعت کا زور دکھانا چاہتے ہیں، وہ اس مشہور
شاعر کی مشہور غزل کو سامنے رکھ کر "تمثیلی کوششیں"
کرنے لگتے ہیں۔ مگر میں ان لوگوں میں نہیں ہوں۔
میرے اس بیان کی تصدیق میرا اندازِ شعر گوئی
کرے گا ۱۲

غزلیات

جس کے ایماں پر بتِ کافر ہنسے — اللہ اللہ وہ ہنسے کیونکر ہنسے

حسن ماہ و ماہوش سحر آفریں — ہائے جادوگر پہ جادوگر ہنسے

قلقلِ مینا دکھائے جب اثر — میں ہنسوں ساقی ہنسے ساغر ہنسے

کیونکر آتی ہے ہنسی کس کو خبر — ان پہ میں حیراں ہوں جو مجھ پر ہنسے

اک پتہ کی بات کہتا ہوں سنو — کوئی ہنس کر رو دے یا رو کر ہنسے

پھبتیاں کہنے پہ میں آؤں اگر — واعظِ ذی شاں سرِ منبر ہنسے

کیا خبر منظور ہے کس دھیان میں
وہ تو وہ زاہد فرشتوں پر ہنسے

اخبار "مدینہ" بجنور غالباً ۱۹۳۰ء

(۲)

لائے گی رنگ آپ کی یہ دل لگی کچھ اور — بڑھ کر رہے گی اب مری آشفتگی کچھ اور

مجھ پر کھلیں گے اور ابھی رازہائے عشق — دل کو ملے گی لذتِ بیچارگی کچھ اور

میری حیاتِ عشق ہے تمہیدِ انبساط — جلوے دکھائے گی مجھے خود رفتگی کچھ اور

ان کی طرف ہے چشمِ سخنگو دمِ اخیر — اس کے سوا نہیں اثرِ زندگی کچھ اور

حال اے خیالِ دوست دکھا دوست کو دکھا — باقی کچھ اور ہے ہوسِ بندگی کچھ اور

رہتا نہ اتنا دور میں اس جلوہ گاہ سے — اے کاش ابھارتا غمِ افتادگی کچھ اور

وعدے یونہیں جو کرتے رہیں گے وہ نو بہ نو — حاصل کروں گا میں طربِ زندگی کچھ اور

منظور اک نگاہِ طرب سوز کے سوا
دیکھا نہ ہم نے حاصلِ شرمندگی کچھ اور

ادبی دنیا - جون ۱۹۳۷ء

(۳)

اک حسیں کو دل دے کر کیا بتائیں کیا پایا
لذتِ فنا چکھی زیست کا مزا پایا

منزلوں کی سختی کا غم نہیں خوشی یہ ہے
کس ہجومِ حسرت میں ہم نے راستا پایا

قدر اس کی پہچانیں آپ یا نہ پہچانیں
اپنے دل کو ہم نے تو حسبِ مدعا پایا

بیخودی کی حسرت کیا لے سبب میں کرتا تھا
آ کے ہوش میں سمجھا بیخودی میں کیا پایا

شیخ! یہ بھی ساغر ہاں اسی کو ساقی نے
میرے کام کا پایا یا تیرے کام کا پایا

حسرتیں سراسیمہ ہر طرف نظر آئیں
کاروانِ دل ہم نے پھر لٹا ہوا پایا

میری مستیاں سمجھیں تیری شوخیاں جانیں
تو نے کیا لیا مجھ سے میں نے تجھ سے کیا پایا

سب یہ رنگ آمیزی ہے فقط تخیل کی
کیا بتاؤں کیا کھویا کیا جتاؤں کیا پایا

پاس بیٹھ کر میرے دیکھتے نہیں مجھ کو
ان کی شرم کو میں نے صبر آزما پایا

سعیٔ پیہم اے منظورؔ اس قدر نشاط افزا
نا امید کس سے تھے کس سے یہ صلا پایا

ساقی غالب ۱۳۹۶ء

(۴)

گم نہیں میں ہوں ان کا دھیان کب نہیں آتا
یاد نہیں بھلا نے کا کوئی ڈھب نہیں آتا

ضبطِ گریہ کی تلقیں ختم کر بس اے ہمدم
بات بات پر رونا بے سبب نہیں آتا

کس پہ جان دیتا ہوں راز ہی میں رہنے دے
نام اس دل آرا کا تا بہ لب نہیں آتا

کیا کہوں اسے پہلے دیکھنا تھا کس ڈھب سے
جو حسیں نظر مجھ کو آہ اب نہیں آتا

جتنے بادہ خوار آئے طالبِ نشاط آئے
ساقیا کوئی مجھ سا حق طلب نہیں آتا

اتنے غمگساروں سے شاد کیا ہو وہ غمگیں
غم بھی جس کے حصے میں سب کا سب نہیں آتا

تیری کم نگاہی کا لطف کھینچ لاتا ہے
سامنے ترے میں خود بے سبب نہیں آتا

رشکِ غیر اے منظور ایسے وقت آتا ہے
دوست کے تصور میں دوست جب نہیں آتا

ساقی فروری ۱۹۳۹ء

(۵)

جب اپنے دل پہ اپنا کچھ اختیار دیکھا / بیگانہ خوحسیں کو بیگانہ وار دیکھا

پیہم تجلیوں کی مجھ میں سکت کہاں تھی / نظریں چرا چرا کر سوئے نگار دیکھا

آج اپنی بے خودی کو عرفاں کی روشنی میں / اس ماہِ سیم تن کا آئینہ دار دیکھا

تیری عنایتوں سے انجام بیں نظر نے / آغازِ عشق ہی میں انجام کار دیکھا

یہ بھولی بھولی صورت اچھا پھر بھی تو نے / میری طرف سے اپنے دل میں غبار دیکھا

حسنِ شباب پرور کس درجہ سحر زا ہے / دیکھا ترا زمانہ اے گل عذار دیکھا

اس شوخ کی گلی میں منظورِ تفتہ جاں کو
پھر بے قرار پایا پھر اشکبار دیکھا

ہمایوں اپریل ۱۹۳۸ء

(۶)

حسن کو سمجھتا ہے عشق ہم زباں اپنا
ہے حقیقت ایسی ہی یا ہے یہ گماں اپنا

فاش ہم کریں کیونکر رازِ مدعا یابی
گم حصولِ مقصد میں حاصلِ بیاں اپنا

کارساز ہے کتنی دید و باز دید اپنی
مل گیا صلہ ہم کو بعدِ امتحاں اپنا

لطفِ رنجشِ بے جا آج دونوں پاتے ہیں
مسکرا رہے ہیں وہ، دل ہے شادماں اپنا

ان کی دلفریبی کا یہ جواب ہے ورنہ
مجھ سا بدگماں سمجھے ان کو مہرباں اپنا

کارواں کے بھی ملتے کچھ نشاں یہ ناممکن
کچھ اثر تو چھوڑے گی یادِ کارواں اپنا

دردآشنا دل کو دیکھ کر میں کہتا ہوں
یاس دے نہیں سکتی آس کو مکاں اپنا

بیکسی کی منزل ہے جس کی حد نہیں ملتی
اس زمیں پہ کھینچیں ہم کس طرح نشاں اپنا

کیا علاج ہے منظورؔ! اس جنوں خرامی کا
منفعل ہوں مجنوں کو کہہ کے ہمعناں اپنا

ہمایوں سنہ ۱۹۴۰ء

(۷)

عشقِ صادق جو اسیرِ طمعِ خام نہ تھا
سعیٔ ناکام کے غم سے مجھے کچھ کام نہ تھا

طُور کے لطفِ خصوصی کی قسم پہلے بھی
میرے دل پر اثرِ جلوہ گہہ عام نہ تھا

دوست کے حسنِ توجہ سے نہیں شاد اب تک
نگہہ غمزدہ میں کیا کوئی پیغام نہ تھا

حسرتِ خوں شدہ ہر آن نئی شان میں تھی
رنگ جو صبح کو دیکھا وہ سرِ شام نہ تھا

دل لگی ہم سے کئے جاتے ہیں کیوں عیش پسند
کیا یہاں سوختہ کاموں کا کوئی کام نہ تھا

راز میں مشقِ تصور کی ہے لذت اے دوست
اور کیا چاہیئے آرام ہے آرام نہ تھا

جانتا تھا جسے اپنی اسی محفل میں گیا
جا کے غیروں کی طرح منتظرِ جام نہ تھا

میگساری کے لئے مل گئے ہم ذوق بہت
غمگساری کے لئے کوئی بھی ہم کام نہ تھا

اس زمانے میں بھی الہام ہے منظور کا شعر!
ہیں کسی دور میں حسرت کشِ الہام نہ تھا

ساقی ستمبر ۱۹۳۹ء

حسن ان کا اپنے ذوقِ دید میں پاتا ہوں میں
سامنے ہو کر وہ چھپتے ہیں تڑپ جاتا ہوں میں

عشرتِ جلوہ بھی ہو جائے جہاں حیرت زدہ
اے خیالِ دوست اس منزل پہ گھبراتا ہوں میں

دیکھتا ہوں اپنے غمخواروں کی جب بے دردیاں
حسنِ بے پروا کی رہ رہ کر قسم کھاتا ہوں میں

انتظار اس کا ہے کتنا جاں گسل کیونکر کہوں
خط میں جسکا نام ہی لکھکر تڑپ جاتا ہوں میں

کب سنبھلنے دیگی غش سے انکی چشمِ برق پاش
مژدہ باد اے بیخودی آتے ہیں وہ جاتا ہوں میں

بے خیالی میں کبھی اپنی زبانِ حال سے
خستہ حالی کے مزے انکو بھی سمجھاتا ہوں میں

آہ اب تک کی نہیں سیرِ بہارستانِ دل
اک خیالی رو میں اے ہمدم بہا جاتا ہوں میں

حیرت افزا ہے مرا عشقِ محبت آفریں
خود ہی اب مضطر نہیں انکو بھی تڑپاتا ہوں میں

راستہ چھوڑ اے تغافل میرے گھر آتے ہیں وہ
رہبری کر اے تمنا انکے گھر جاتا ہوں میں

حیرتِ مشقِ تصور کھو نہ دے مجھ کو کہیں
سامنے اپنے تجھے اے دل نشیں پاتا ہوں میں

لا رہی ہے ان کی چشمِ لطف عشرت کے پیام
دیکھ اے منظور اب کیسا نظر آتا ہوں میں

---

(۹)

راز چشم میگوں ہے کیفِ مدعا میرا
غیر کی نظر سے ہے دور میکدہ میرا

واسطہ کی خوبی نے سہل منزلیں کر دیں
حسن عشق کا رہبر عشق رہنما میرا

کر دیا مجھے بے خود ان کی بے نیازی نے
کہہ رہا ہوں خود ان سے دل سنبھالنا میرا

ہائے خوفِ بدنامی، وائے فکرِ ناکامی
بے وفا کے ہاتھوں ہیں حاصلِ وفا میرا

لطفِ خلوت و جلوت ہم نہ پا سکے لیکن
دھوم ہر طرف ان کی ذکر جابجا میرا

طرزِ والہانہ کی داد کب ملی مجھ کو
نازِ دوست کب نکلا صورت آشنا میرا

سوچنے لگے گی کچھ تیری خوش نگاہی بھی
رائگاں نہ جائے گا یوں ہی دیکھنا میرا

میں نے جب کبھی دیکھا سر جھکا لیا تو نے
تو نے جب کبھی دیکھا دل تڑپ گیا میرا

عشرتِ حجاب از خود چارہ سازِ دل کیا ہو
ساز ہو جب اے ظالم! سوز آشنا میرا

میری خستہ حالی نے سعیٔ خود شناسی کی
ان کی خود نمائی نے جب کیا گلہ میرا

ہے جو حضرتِ منظور اعتبارِ این و آں
اذنِ بے خودی لے کر پوچھئے پتا میرا

---

(۱۰)

نازِ بتِ مہوش پر قربان دل و جاں ہے — یہ شانِ خدا شاہد غارت گرِ ایماں ہے
جو بات بھی ہے پیاری، جو چال بھی ہے اچھی — آن اسکی نہیں مخفی شان اسکی نمایاں ہے
ہمراہ چلوں اس کے کچھ بات کروں اس سے — مدت سے یہ حسرت ہے مدت سے یہ ارماں ہے
وہ مجھ کو دکھاتے ہیں ہر آن نیا جلوہ — میرے لئے ہر جلوہ سرمایۂ احساں ہے
گردابِ حوادث میں خوش ہوں کہ مری کشتی — نادیدۂ ساحل ہے پروردۂ طوفاں ہے
ہنستا ہوا آیا ہے ہنس ہنس کے رلائے گا — وہ عہد شکن پھر اب آمادۂ پیماں ہے

منظور اسے دل دینا دل دے کے خلش لینا
یہ بھی کوئی حسرت ہے یہ بھی کوئی ارماں ہے

سب رس جون ۱۹۳۹ء

(۱۱)

فرق جب لذتِ احساس میں پایا نہ گیا
درد دیکھا نہ گیا تم کو دکھایا نہ گیا

چٹکیاں کون یہ رہ رہ کے لئے جاتا ہے
میرے دل میں تو مری جاں کوئی آیا نہ گیا

لطف یوں رنجشِ بے جا کے لئے پہروں تک
بے سبب روٹھنے والے کو منایا نہ گیا

خوابِ پُرکیف کا منظر بھی نشاط آور تھا
دوست کو اس لئے کچھ دیر جگایا نہ گیا

منع کرتی جو رہی خندہ جبینی اس کی
دردِ دل اپنا کبھی اس کو سنایا نہ گیا

خود ہنسا وہ یہ جوانی کی کرم بخشی ہے
خسروِ حسن کو مجھ سے تو ہنسایا نہ گیا

دے تو دی ضبطِ محبت کی قسم ظالم نے
فائدہ ضبطِ محبت کا بتایا نہ گیا

کب دکھاتا ہے وہ بربادیٔ حسرت کا سماں
خاک میں جب مری حسرت کو ملایا نہ گیا

روشنی جس کی دکھاتی تھی مجھے بھول ہی بھول
اس قمر وش کا وہ انداز بھلایا نہ گیا

طور کی پوری طرح یاد دلائی نہ گئی
ہوش چھینے تو گئے ہوش میں لایا نہ گیا

ان کی مشکوک نظر میں وہ مزا تھا منظورؔ
کہ یقیں اپنی محبت کا دلایا نہ گیا

(۱۲)

پوچھو نہ کچھ ثبوتِ خرد بیں نے کیا دیا
ایک مستِ ناز کو دلِ بے مدعا دیا

اب کیا گلہ کروں عدمِ التفات کا
میری نگاہِ یاس نے سب کچھ جتا دیا

بڑھتے ہوئے شعور میں گم ہو رہا ہوں میں
احساسِ حسن آپ نے اتنا بڑھا دیا

دیکھی نہ جب تجلیٔ تکرار آشنا
بے رنگیوں کا رنگ خودی نے جما دیا

ہے شادِ بیدلی پہ تہی دستِ آرزو
اچھا کیا نشانِ تمنا مٹا دیا

مایوسِ جلوہ ہائے طرب ہوں خبر نہیں
دل خود ہی بجھ گیا کہ کسی نے بجھا دیا

کیا لطفِ اضطراب دکھاؤں کہ آپ نے
احساسِ درد درد سے پہلے مٹا دیا

انجامِ دید و عید اب اے ہم نشیں نہ پوچھ
وہ مجھ کو یاد ہے مجھے جس نے بھلا دیا

معلوم تھا مجھے کہ وہ درد آشنا نہیں
منظور دل کا درد انہیں بھی سنا دیا

مدینہ اخبار بجنور ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۳)

برہم کنِ دل یوں کبھی برہم نہ ہوا تھا — "حیرت اثر" ایسا مرا عالم نہ ہوا تھا

ان شوخ نگاہوں نے تڑپ اور بڑھا دی — اللہ ابھی دردِ جگر کم نہ ہوا تھا

اب بھی مجھے خودداریٔ جاناں میں نہیں شک — پہلے بھی مرا دل متوہم نہ ہوا تھا

اے پیرِ مغاں اس کی بقا میں مجھے شک ہے — واقف اثرِ جام سے کیا جم نہ ہوا تھا

وہ شوخ مجھے دیکھ کے یوں شرم سے جھک جائے — جس کا سرِ مغرور کبھی خم نہ ہوا تھا

اس کم نگہی نے تو مجھے مار ہی ڈالا — ایسا اثرِ پرسشِ پیہم نہ ہوا تھا

مشہور وہ منظور ہے جس کے لئے کل تک
سرمایۂ شہرت ہی فراہم نہ ہوا تھا

ساقی دسمبر ۱۹۳۵ء

(۱۴)

اے کشمکشِ الفت جی سخت پریشاں ہے
مرنے کی بھی حسرت ہے جینے کا بھی ارماں ہے

ساحل سے نہیں لگتی غرقاب نہیں ہوتی
کشتی ہے تھپیڑوں میں یہ بھی کوئی طوفاں ہے

میں کیا مری الفت کیا تو اور مجھے پوچھے
بس اے ستم آرا بس حسرت ہے نہ ارماں ہے

یہ موج تبسم کیا ظالم اسے دھو دے گی
جو رنگ پشیمانی چہرہ سے نمایاں ہے

مغرور محبت ہوں خود میری نگاہوں میں
یہ بے سروسامانی رازِ سروساماں ہے

اس حسنِ مجسم کی شرمیلی اداؤں کا
احساسِ محبت بھی شرمندۂ احساں ہے

منظور اسے رخصت کس دل سے کروں گا میں
دھڑکا ہے یہی ہر دم جب سے کہ وہ مہماں ہے

سب رس جون ۱۹۳۹ء

(۱۵)

غم کا گماں یقینِ طرب سے بدل گیا
احساسِ عشق حسن کے سانچے میں ڈھل گیا

ساتھ ان کے لے رہا ہوں میں گلگشت کے مزے
یہ خواب ہی سہی مرا جی تو بہل گیا

مجبورِ عشقِ چشمِ فسوں ساز سے ہوں میں
جادو مجھی پہ دوست کا چلنا تھا چل گیا

ہیں انتظارِ عید میں تھا عید آگئی
ارمانِ دید دامنِ عشرت میں پل گیا

ہے برقِ جلوہ یاد مگر یہ نہیں ہے یاد
خرمن مرے غرور کا کس وقت جل گیا

پیمانِ عشق و حسن کی تجدید کے سوا
جو بھی خیال ذہن میں آیا نکل گیا

بڑھتے چلے ہیں آئے دن اسبابِ اضطراب
یادش بخیر آج کا وعدہ بھی ٹل گیا

منظور! کس زباں سے بتوں کو برا کہیں
ایماں ہمارا کفر کے دامن میں پل گیا

شاہکار لاہور نومبر ۱۹۳۹ء

(۱۶)

وہ بیٹھے باتیں بنا رہے ہیں تو ہاں میں ہاں میں ملا رہا ہوں
تصوراتِ جمیل کو یوں جمیل تر خود بنا رہا ہوں

اسی حیاتِ فنا اثر میں بقا کے آثار پا رہا ہوں
خود ان کے رستے میں مٹ رہا ہوں کہ غیریت کو مٹا رہا ہوں

وہ ناز سے مجھ کو دیکھتے ہیں میں پیار سے ان کو دیکھتا ہوں
وہ اپنا جادو جگا رہے ہیں میں اپنا جادو جگا رہا ہوں

کمال کیا ضبطِ نفس کا ہے جمالِ پردہ نشیں سے سمجھا
میں ان کی خاطر سے اپنے دل میں حسین ارماں چھپا رہا ہوں

روابطِ حسن و عشق اب تک سمجھ سے باہر ہیں گرچہ پیہم
وہ مجھ کو سمجھائے جا رہے ہیں میں ان کو سمجھائے جا رہا ہوں

نہ چھپ سکے گا وہ دلنشیں اب کھلیں گے رازِ نہفتنی سب
نگہ کی قوت سے کام لے کر حجاب دل کا ہٹا رہا ہوں

مجھے یہ منظور خاک سمجھے قیاس آرا ہیں اس کے سجدے
بتانِ ہوش کو میں تو دل میں حقیقۃً پوجتا رہا ہوں

(۱۷)

نئی نئی حسرتوں کے خاکے بنا رہا ہوں مٹا رہا ہوں
میں جب سے دنیائے عشق میں ہوں مزا اسی دھن میں پا رہا ہوں

سکونِ درماندگی نے بخشی مرے دلِ مضطرب کو راحت
نہ اب میں فریاد کر رہا ہوں نہ اب میں آنسو بہا رہا ہوں

نمودِ بے اختیار پر خود خجل مری بے کسی ہے لیکن
کسی کو افسردہ دل بنانے میں دردِ دل کب سنا رہا ہوں

خبر نہیں کون جا رہا ہے نہ جانے یہ کون آ رہا ہے
نثار ہے جس پہ جاں اسی سے میں نزع میں لو لگا رہا ہوں

نہیں ملی جلوہ گاہ اب تک اگر کسی وقت مل بھی جائے
بر آئے گی کیا مری توقع میں جس توقع پہ جا رہا ہوں

یہ بیم و امید کا دو راہہ مرے لئے ہے مقامِ حیرت
یہاں نہیں یہ خبر بھی مجھ کو میں رو رہا ہوں کہ گا رہا ہوں

معاملہ کی یہی ہے صورت نہیں ہے منظور آزمائش
نہ مجھ کو وہ آزما رہے ہیں نہ ان کو میں آزما رہا ہوں

سب رس جولائی ۱۹۳۹ء

رباعیات[1]

دکھلائے نہ کیوں شیخ زمانہ انداز
دلچسپ ہیں اس کے عارفانہ انداز
ہے اس کی ہر ایک ادا سے شیخی ظاہر
چھپتے ہیں کہیں مشائخانہ انداز

ہوتے ہوتے ہلال ہوتا ہے بدر
بڑھتے بڑھتے کسی کی بڑھتی ہے قدر
دیکھو! وہی شیخ تھا جو کل تک گم نام
آج "انجمنِ خدانما" کا ہے صدر

جب مالکِ خانقاہ ہو جاتا ہے
مجھ جیسا گدا بھی "شاہ" ہو جاتا ہے
دنیا میں ضیائے دیں کے پھیلانے کو
ذرہ خورشید جاہ ہو جاتا ہے

---

[1] اس قسم کی بیسیوں رباعیات ادبی دنیا' کامران اور ہند وغیرہ میں چھپ چکی ہیں۔ ۱۲

جس بزمِ طرب میں شیخ صاحب آئے
گاتے ہوئے آپ اپنے مناقب آئے
مطرب نے کہا یہ دست بوسی کے بعد
آئے میرے شریکِ غالب آئے

اے شیخ! یہ سامانِ خور و نوش ترا
کیوں ایسی غذا سے نہ بڑھے جوش ترا
گاڑی کی کمانیں بوجھ سے دبتی ہیں
اللہ اللہ یہ تن و توشں ترا

ادارۂ ادبیات اردو کی کتابیں

	صفحات	قیمت		صفحات	قیمت
ورڈسورتھ اور اسکی شاعری	۱۸۴	عہ ۸/	دفتری معلومات	۵۶	۶/
ہوش کے ناخن	۹۴	عہ	آبدوز کشتیاں	۴۸	۶/
یوسف ہندی قید فرنگ میں	۷۹	عہ	اردو مثنوی کا ارتقاء		۱۲/
ٹیگور اور ان کی شاعری	۱۲۸	عہ ۸/	من کی بپتا	۸۰	۸/
نذر ولی	۲۲۶	عالہ ۸/	سرگذشت غالب	۶۴	۸/
مشاہیر قندھار دکن	۱۸۴	عہ	نظام الملک	۳۸	۴/
من کی دنیا	۱۴۵	عہ	تاریخ گولکنڈہ	۳۳۰	ہے ۸/
مدراس میں اردو	۱۹۶	عہ ۸/	دکن نمبر (۸۷ تصاویر)	۱۶۸	عالہ
محرم نامہ	۱۱۲	عہ	ارمغانِ جذب	۱۲۰	۱۲/
نذر دکن	۱۰۴	عہ ۴/	سوتیلی ماں	۴۸	۴/
روح غالب	۲۴۰	عالہ ۸/	سر سید احمد خاں	۱۶	۲/
عاصمہ	۱۹۶	عہ ۴/	سر سالار جنگ	۴۸	۶/

قیمت	صفحات		قیمت	صفحات	
عہ ۴ر	۱۴۵	مغربی تصانیف کے اردو تراجم	۶ر	۶۵	ارسطو جاہ
عہ ۴ر	۱۳۲	محبت کی چھاؤں	۶ر	۴۰	عماد الملک
عہ ۴ر	۱۶۸	اقبال نمبر	۲/۶ر۳	۵۶	اردو دانی کی پہلی کتاب
عہ	۱۱۲	سائنس کے کرشمے	عاں	۲۰۰	محمد حسین آزاد
(زیر طبع)		رسائل طبیہ	عہ ۴ر	۴۴	کاغذ کی ناؤ
عاں ۱۲ر	۲۳۰	شعرائے عثمانیہ	۱۲ر	(زیر طبع)	فن تقریر
عاں ۸ر	۳۰۰	مکتوبات شاد	عہ	۱۴۴	مقدمہ تاریخ دکن
۲ر	۱۶	دادا بھائی نوروزجی	۶ر	۴۸	پانی کی کہانی
عاں	۲۰۰	اُردو نامہ	۶ر	(زیر طبع)	پرواز

مرقع سخن (جلد اوّل) حیدر آباد دکن کے پچیس شعرائے دور آصفیہ کا باتصویر تذکرہ پچاس سے زیادہ تصاویر اور چار سو سے زیادہ صفحات مجلد قیمت (صہ)

مرقع سخن (جلد دوم) حیدر آباد دکن کے پچاس دیگر شعرائے دور آصفیہ کا باتصویر تذکرہ پچاس تصاویر چار سو صفحات مجلد قیمت (صہ)

سراج سخن انتخاب کلام شاہ سراج اورنگ آبادی مرتبہ پروفیسر عبد القادر سروری مع سوانح شاہ سراج۔ صفحات (۱۴۰) قیمت ۱۲ر